

اَنَا الْعَقِيبُ وَالْعَقِيبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي أَحَدٌ

اَنَا نَبِيٌّ بَعْدِي زَافِسَانِ خُذْ أَسْت
پَرْدَه نَاسُوسِ دِينَ رُصْطَفَیَّ اَسْت

فَاللَّهُ اعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

العاقِبُ

رَجَبُ الْاَوَّلِ ۱۴۳۰ هـ
مارچ ۲۰۰۹ء

مُحَمَّدٌ عَلِيٌّ حَافِظُ خَادِمِ حُسَيْنِ رَضَوِي

زیر سرپرستی



اکادیمی

دہشت گردی کے خلاف جنگ یا دہشت گردوں کی جنگ؟

نائن ایون (11 ستمبر) کے بعد دنیا بھر کے میڈیا میں دہشت گردی کا ایسا بھونچال آیا جس نے ہر شخص کو متاثر کر دیا ہے۔ اس صہیونی چال کا سب سے زیادہ شکار وطن عزیز پاکستان ہوا ہے۔ 11 ستمبر کے بعد امریکی آقاؤں نے اپنے پاکستانی غلام حکمرانوں کو اس نام نہاد جنگ میں ایسا دھکیلا ہے کہ اب ہمارے حکمران چاہتے ہوئے بھی اس گرداب سے صحیح سلامت نہیں نکل سکتے۔

نام نہاد دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی جنگ نے اس وقت دہشت گردوں کی جنگ کا ٹوپ دھار لیا ہے۔ نیویارک (امریکہ) سے شروع کی جانے والی اس جنگ نے پورے پاکستان کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ پاکستان کو یہ نام نہاد جنگ 7997 قیمتی جانوں کے ضیاع کے علاوہ 2080 ارب روپے میں پڑی ہے۔

جانی و مالی نقصان کے علاوہ سوات، باجوڑ، مالاکنڈ، جنوبی وزیرستان، شمالی وزیرستان اور بلوچستان میں ایسی اتار کی پھیلی ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود کہیں نہ کہیں سے کوئی چنگاری نکل آتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں یہود و ہنود نے ایک ایسی منظم سازش رچی ہے جس میں ان کا کردار خالص پروہ ہے اور سامنے دو کچھ چلی ہیں جن کا کردار ناقص سے زیادہ کچھ نہیں۔

فہرست

- | | | |
|---|--|--|
| 11
قصیدہ میلاد
مفتی احمد یار خان نعیمی | 6
ہست وین کی دین حیات
مولانا حافظ خادم حسین رضوی | 3
اکادیمی
مدیر |
| 20
ڈاکٹر عبدالقدیر خان
محمد وحید نور | 16
اہل سنت
مولانا خوشنورانی علیگ | 13
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت
شہزاد شاہد مرید کے |
| 32
حماس، الفتح کشیدگی
میاں علی رضا | 31
غزہ کی ایک ماں
ام حبیب | 24
یاد ماضی
عذاب ہے یا رب
ڈاکٹر عبدالقدیر خان |
| 46
ایم کیو ایم
ایم ایلی فوج میں قادیانی
ڈاکٹر شاہد قریشی | 40
مرزا دجال کی
انگریز دوستی
مولانا محمد عبدالکحیم اختر | 37
فرزند یوبند
مولانا فضل الرحمن
خالد مسعود خان |
| 64
بزم اطفال
مدیر | 62
دارالافتاء | 53
قادیانیوں کی ڈھٹائی
پروفیسر منور احمد ملک |
| | | 51
ترانہ ختم نبوت
محمد صلاح الدین سعیدی |

نوٹ: مضمون انکار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

درج بالا تمام علاقوں میں رہنے والے اکثر لوگ پٹھان قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی دوستی اور دشمنی میں کسی کو ثانی نہیں رکھتے۔ حکومت نے بھی ان پر تمام تر حربے آزما کر دیکھ لیے ہیں لیکن وہ تمام بے سود ثابت ہوئے ہیں۔ اب حکومت مذاکرات کی میز سجائے انہیں رام کرنے کی تگ و دو میں لگن ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں کہ اپنے ہی ملک کے رہنے والوں پر فوج کشی کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ آخر حکومت شروع دن سے معاملہ افہام و تفہیم سے حل کیوں نہیں کرتی؟ کیا لاکھوں لوگوں کو بے گھر کرنے اور ہزاروں کو خاک و خون میں تڑپانے کے بعد مذاکرات کرنے کی ہوش آئی ہے یا ہمارے حکومتی اکابر ایسے شریکوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں جو ملکی سالمیت اور بقاء کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں؟ اب وقت آگیا ہے کہ حکومت درج ذیل چند امور کی طرف توجہ دے۔

● نام نہاد دہشت گردی کے خلاف شروع کی گئی جنگ کی موجودہ حیثیت اور نتائج کیا ہیں؟

● کیا پاکستان اس مسلح کی گئی جنگ کا مزید قائل ہے؟

● دہشت گردی کیا ہے؟ کیا امریکی مفادات پر حملہ ہی دہشت گردی ہے یا مظلوم فلسطینیوں پر ہنگامی

جارحیت بھی دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہے؟

● امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے شروع کی گئی یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے یا اسلام اور

اس کے ماننے والے مسلمانوں کے خلاف؟

حکومت وقت کے لیے یہ نادر موقع ہے کہ وہ محبت وطن قبائلیوں اور راہبوں اور سی آئی اے کے

ایجنٹوں میں فرق کرتے ہوئے قبائلیوں کے قانونی و معاشرتی مطالبات تسلیم کرے اور انہیں احساس

محرومی سے نجات دلائے۔

گیلانی صاحب ایک قدم اور آگے بڑھائیں

7 جنوری 2009ء کو اس ملک کے سفارتی نظام میں ایسی انہونی ہوئی ہے جس کی دُور و رُست

قطعاً کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی بالخصوص ایسی حکومت سے جو خود میرا کیوں کے سہارے قائم ہے۔

کچھ یوں ہوا ہے کہ وزیراعظم گیلانی صاحب نے ترنگ میں آکر امریکہ بہادر اور صدر محترم کے انتہائی خاص اور معتقد کارندے محمود علی درانی کو ہر طرف کر دیا۔ گیلانی صاحب کو شاید محمود درانی کی امریکہ نوازی کا صحیح اندازہ نہیں۔ اگر اندازہ ہوتا تو یقیناً اس ”گوہر نایاب“ کو یوں رائیگاں نہ کیا جاتا۔ جنرل (ر) محمود علی درانی 1977ء تا 1982ء امریکہ میں پاکستان کے ملٹری اتاشی رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد امریکی تھنک ٹینکس میں شامل ہو گئے۔ جنرل درانی ہی وہ امریکہ نواز تھے جو کابینہ کے اجلاس میں کی جانے والی خفیہ باتوں سے امریکی حکام کو قبل از وقت آگاہ کرتے اور جب امریکی حکام پاکستان آتے تو ان کے پاس وہ تمام معلومات پہلے سے موجود ہوتیں جو صدر اور وزیراعظم نے اپنے زیر استعمال لانی ہوتیں۔

جنرل (ر) درانی ہی وہ معروف شخصیت ہیں جنہیں بھارت نوازی کی وجہ سے ہندوستان میں

”جنرل شانتی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ 1988ء میں جنرل (ر) درانی ہی تھے جنہوں نے صدر

ضیاء الحق کو بہادر پور جانے کے لیے اصرار کیا تھا اور 2 دن میں 16 فون کالز کیں تھیں۔ جنرل (ر)

درانی نے ہی صدر پاکستان کے طیارے میں آموں کی پیٹیاں اور امریکی ٹینک کا ماڈل رکھوایا تھا۔ انہی

پیٹیوں اور ٹینک کے ماڈل کے بارے میں وہ کہہ رہے تھے کہ ان میں دھماکہ خیز مواد اور اعصاب شکن گیس تھی۔

وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے اگر واقعی اپنی کابینہ اور ٹیم کو امریکی ایجنٹوں اور

مظہروں سے پاک کرنا ہے تو صرف ایک درانی سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا

محاسبہ بھی ہونا چاہیئے جو کسی بھی محکمے میں مشیر یا وزیر کے عہدے پر امریکی اصرار و دباؤ یا سفارش پر

اگے گئے ہیں۔ ویسے پاکستان کی کم و بیش 17 کروڑ آبادی میں سے کوئی ایک بھی شخص ہمارے

محترم مشیر (درحقیقت وزیر) داخلہ اور مشیر (درحقیقت وزیر) خزانہ کا حلقہ انتخاب (یا مارچ 2009ء

سے قبل ایوان بالا و زیریں کی رکنیت کے متعلق) بنا سکتا ہے؟؟؟



ہست دین مصطفیٰ دین حیات است

شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی ۳ ربیع الاول ۱۴۲۶/۲۲ جون ۱۹۶۶ء بروز بدھ ”نکے کلاں“ انگلینڈ میں پیدا ہوئے۔ جہلم و دینہ کے مدارس میں حفظ و تجوید کی تکمیل کے بعد شہرہ آفاق دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد رشید نقشبندی، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبداللطیف نقشبندی، شرف ملت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، جامع الموقوف والموقوف حضرت علامہ حافظ عبدالستار سعیدی اور استاذ العلماء حضرت مولانا صدیق ہزاروی ایسی شخصیات شامل ہیں۔

روحانی طور پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں عارف کامل حضرت اقدس خواجہ محمد عبدالواحد صاحب المعروف حاجی پیر صاحب سے کالادیش شریف جہلم میں بیعت ہیں۔ تقریباً دو عشروں سے جامعہ نظامیہ میں ہی مستقر رہیں پر رونق افروز ہیں۔ بلاشبہ آپ کے ہزاروں شاگرد اس وقت ملک عزیز کے طول و عرض میں خدمات دینیہ میں مصروف عمل ہیں۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ عہد صرف میں تیسیر ابواب الصرف اور تعلیمات خدامیہ آپ کے لوگ قلم کی یادگار ہیں۔ اللہ رب العزت نے خطابت میں دلنشین و منفرد انداز عطا فرمایا ہے۔ روایتی تقاریر سے ہٹ کر آپ کے خطابات ”دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے“ کے مصداق پڑھتے ہیں۔

اس وقت آپ فدا یان ختم نبوت پاکستان اور مجلس علماء نظامیہ کے مرکزی امیر ہیں۔ اس کے علاوہ دارالعلوم انجمن نعمانیہ سمیت کئی مدارس، تنظیمات اور اداروں کے سرپرست و مگران اور معاون ہیں۔

حضور سرور عالم ﷺ کے ظاہری دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب تک دین حق کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی آندھیاں اور جھکڑ چلے لیکن ہمارے اسلاف نے ہر دور میں ان طوفانوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے دین مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑھا دیتے ہیں نکڑا سر فروشی کے فسانے میں

عروج و زوال تاریخ کا حصہ ہیں۔ جو قومیں دور انحطاط میں اپنے افکار و نظریات پر سختی سے کاربند رہیں انہیں دوبارہ عزت و وقار حاصل کرنے اور سر بلند ہونے میں دیر نہیں لگتی اور جو قومیں اپنے افکار و نظریات کو چھوڑ کر اغیار کی نقالی میں مصروف ہو جاتی ہیں تباہی و بربادی ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ پختہ افکار و نظریات پر وہی قوم ثابت قدم رہ سکتی ہے جس کا نصاب تعلیم اغیار کا مرکب نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرضوان نے جو دس اصول دین حق کی ترویج و اشاعت کے لیے بیان فرمائے، کاش! اہلسنت و جماعت کے قائدین اور امراء ان کو اپناتے تو ہر محفل و جلسہ کے اختتام پر اہلسنت کی زیوں حالی کا رونا نہ رویا جاتا۔ فرنگیوں کی برصغیر آمد کے بعد ہمارے اسلاف نے جس جو اس مردی اور استقامت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا وہ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔

ان کے چلے جانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ دینی مدارس کو فروغ و ترقی دے کر اپنے اسلاف کے دیے ہوئے نظام تعلیم کی حفاظت کا مزید بندوبست کیا جاتا لیکن العجب ثم العجب آہستہ آہستہ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد مغربی یلغار کے زیر دام آتے گئے اور آج معاملہ یہاں تک آپہنچا ہے کہ جو کتابیں سرکاری سطح پر مسلمان بچوں کو تباہ کرنے کے لیے پڑھائی جاتی تھیں انہیں مدارس دینیہ کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں لڈی بھنگڑے وغیرہ کو پاکستانی ثقافت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور بعض ایسے افراد کو مسلمانوں کے بیرو کے طور پر پیش کیا گیا جن کے متعلق مفتیان اسلام نے ان کے بُرے عقائد کی بنیاد پر انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔

پختہ افکار کہاں دھوکے جاتے کوئی

اس زمانے کی ہوا ہر چیز بتاتی ہے خام

جس قوم کا نصاب تعلیم اغیار کے افکار و نظریات پر مشتمل ہو یا وہ قوم نظام تعلیم میں غیروں کی محتاج ہو تو غلامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی محتاجی و غلامی کے متعلق علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کی گواہی پڑھیے اور غور و فکر کیجیے کہ اہل اسلام کے نصاب تعلیم کو بدلنے کا منصوبہ کتنا بڑا تھا جسے اس دور میں پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اک رد فرنگی نے کہا اپنے پر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر

سینے میں رہیں راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاخیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر
ان اشعار کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک انگریز نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو ایسی تعلیم پڑھاؤ جس کے بعد وہ سونا بھی ہو تو مٹی بن جائے۔ غیر اسلامی تعلیم سے بڑھ کر اور کوئی چیز مسلمانوں کے لیے زیادہ تباہ کن نہیں۔

آج دنیاوی تعلیم کو ترقی اسلام کا نام دیکر درس نظامی کے نصاب میں شامل کیا جا رہا ہے اور اس پر عجیب قسم کے دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ اس دنیوی تعلیم کے بارے میں تاجدار گولڑہ شریف، فاتح مرزا نیت، شہنشاہ ولایت حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا موقف بھی پڑھیے اور غور و فکر کیجیے کہ ہمارے اسلاف آنے والے حالات و واقعات سے کتنے باخبر تھے اور ایک ہم ہیں کہ سب کچھ سامنے دیکھ کر اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کر رہے۔

مباش اہلین ازاں علی کہ خوانی

کہ از دے روح قوے میتواں کشت

اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر و ترقی کے لیے سر عبدالقیوم نے آپ کو لے جانا چاہا تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ آپ کے تشریف نہ لے جانے پر سر عبدالقیوم نے آپ کو ایک خط ان الفاظ میں تحریر کیا۔ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔

حضرت قبلہ نے اسے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کے اس فقرہ پر مجھے تعجب ہوا۔ محمد و ما اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے نزدیک علم معتد بہ علوم شرائع و ادیان ہیں یعنی علوم الہیہ اور وہ الفضل تعالیٰ اپنے خدام سمیت محفوظ ہیں۔ ہمارے نزدیک تاحال دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں۔ پس آپ کے اس فقرہ بالا کی صحت بالکل صورت پذیر نہیں ہوتی البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علوم پاک کا نکل جانا اس صورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب بحسب ”کلمۃ خیر اربد بھا شو“ ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے۔

سر عکس نہند نام زنگی کافور

اس کے بعد ماوشا سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرز تعلیم کا اثر احکام شرعیہ، صوم و صلاہ وغیرہ میں پشت ڈالنے اور ظاہر اعزاز و شکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔ جسے اللہ محفوظ رکھے۔ اس وقت دینی مدارس کو حکومتی اور فرنگی آسیب سے بچانے کے لیے علمائے اسلام کو اپنے اسلاف جیسے کردار ادا کرنا ہوگا۔

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سبز را

گا ہے گا ہے باز خواں قصہ پارینہ را

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوب کریم ﷺ کی عبادت سے سرفراز فرمایا اور

عربی زبان کے ساتھ (جو کتاب و سنت کی زبان) سے اشتغال کی توفیق عطا فرمائی اور ایسے عظیم اساتذہ اور محسنین کو ہمارے لیے مقدر فرمایا جنہوں نے ہمیں عربی ادب کی تعلیم کے ساتھ دینی و اخلاقی تربیت سے بھی نوازا۔

﴿فالحمد لله على ذلك حمدا كثيرا﴾



آہ! آفتاب گولڑہ

13 فروری 2009ء بروز جمعہ نچادہ نشین گولڑہ شریف حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر علیہ الرحمۃ وصال فرما گئے۔

حضرت پیر صاحب، تاجدار گولڑہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے پوتے اور حضرت پیر سید غلام معین الدین گولڑوی المعروف ”بڑے لالہ جی“ کے فرزند ارجمند تھے۔ پیر سید نصیر الدین نصیر جید عالم دین، مبلغ اسلام، عارف، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کے فارسی کلام کی کتاب آج بھی تہران یونیورسٹی (ایران) کے نصاب میں شامل ہے۔ آپ ہفت زبان شاعر تھے۔ اردو اور فارسی میں آپ کے نعتیہ کلام، نظم، غزل اور رباعیات کی 11 کتب شائع ہو چکی ہیں۔ آپ عالمگیر شہرت کے حامل صوفی تھے اور اندرون و بیرون ملک لاکھوں لوگ آپ سے فیض پارہے تھے۔

گولڑہ گولڑہ مصروفیات کے باوجود آپ ہمیشہ تحفظ ختم نبوت کے عظیم الشان محاذ پر سرگرم عمل رہے۔ آپ کو یہ جو اپنے جد امجد اور والد گرامی سے منتقل ہوئی تھی کہ کذاب قادیان کے گردہ کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ عقیدہ ختم نبوت سے لگن اور مرزائی قادیانی فتنے کی شرانگیزیوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے آپ کے یہ الفاظ آج بھی تروتازہ ہیں کہ ”میرے جد امجد پیر سید مہر علی شاہ ڈیرہ کنال زمین کے مالک تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ آج ہم اربوں روپے کی جائیداد کے مالک ہیں اور رد مرزائیت میں کچھ بھی نہیں کر رہے۔“ فدایان ختم نبوت کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ خطیب اسلام حضرت مولانا محمد قادری سیّد فدایان ختم نبوت کا پورا قافلہ اس عظیم صدمے کو اپنا ذاتی صدمہ سمجھتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ کو روت کرے راحت نصیب فرمائے اور آپ کے تمام شاگردین کو سیرت نبویہ ﷺ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قصیدہ میلاد

مفتی احمد یار خان نعیمی

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آرہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لارہے ہیں
زمانہ بھی پلٹا رت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں
ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ قص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی یہ مژدہ لائی کہ حق کے محبوب آرہے ہیں
خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھوئیں
چند ادھر کھلکھلا رہے ہیں پرند ادھر چچہا رہے ہیں
نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں
شب ولادت میں سب مسلمان نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابو لہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں
زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نوعیتیں جن کی کھارہے ہیں انہی کے ہم گیت گارہے ہیں

تیری ہیبت تھی کہ
ہر بت تھر تھرا کے گر گیا

شہزاد شاہد مرید کے

امیر محترم حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی کے فرمان کے مطابق ماہنامہ العاقب میں نوخیز قلم کاروں کے لیے چند صفحات خاص کے گئے ہیں۔ تمام قارئین کو اس نئے سلسلے میں طبع آزمائی کے لیے دعوت خاص ہے۔

راتوں میں جو قدر و منزلت اور رفعت و عظمت شب قدر کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور شب کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس میں قرآن کریم کا نازل ہونا، ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہونا، جبرائیل امین علیہ السلام اور فرشتوں کا زمین پر اتنا، طلوع فجر تک سلامتی کا پیغام سنانا ایسی خصوصیات ہیں جو اسے دوسری راتوں سے ممتاز کرتی ہیں مگر ایک رات ایسی بھی گزری ہے جس میں عجائبات و معجزات کا ظہور اس قدر ہوا ہے کہ اس کی تفصیل کو صفحہ قرطاس کی زینت بنایا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

وہ ”شب ولادت نبی“ ہے جو اپنے دامن میں ہزار ہا حیرت انگیز، عجیب خیز اور ایمان افروز واقعات لیے فروزاں و تابندہ ہے۔ وہ رات جس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آگن میں نور مبین جلوہ گر ہوا، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نور نظر کی نعمت سے سرفراز ہوئیں، زمین سے آسمان تک خوشی و مسرت کا جشن منایا گیا، بیت اللہ کو سجدہ شکر کی سعادت نصیب ہوئی، بت سرنگوں ہو گئے اور شہاب ثاقب کے ذریعے آسمان میں شیاطین کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ اسی رات ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے عظیم و شان و سبع و عریض اور بلند و بالا محلات کی شان و شوکت میں اضافہ کرنے والے چودہ فلک بوس مینار پلک جھپکتے ہی زمین بوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو شہنشاہ کسری نے حیرانی و پریشانی کے عالم میں تاج سر پر سجایا اور غم سے اس کے چہرے کی رونق اڑ گئی۔ بے چینی و بے کسی کی حالت میں وہ تخت پر بیٹھا اپنے وزیروں، مشیروں کو گزری

عجیب حق ہیں خدا کی نعمت بنعمۃ ربک فحدث
خدا کے فرمان پر عمل ہے جو بزم مولد سجا رہے ہیں
بارگ اللہ حکومت ان کی زمین کیا شے ہے آسمان پر
کیا اشارے سے چاند ٹکڑے چھپا ہوا خور بلا رہے ہیں
میں تیرے صدقے زمین طیبہ فدا نہ کیوں تجھ پہ ہو زمانہ
کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں



مولانا افتخار احمد خبیبی کی المناک شہادت

چند دن قبل صوبہ بلوچستان کے معروف عالم دین اور تنظیم المدارس اہل سنت و جماعت پاکستان کی مجلس عمومی کے رکن حضرت مولانا افتخار احمد حبیبی نقشبندی کو کوئٹہ میں شہید کر دیا۔ مولانا کا راجہ حضرت مولانا حبیب احمد نقشبندی کے تحت جگر اور نو جوان عالم دین تھے۔ آپ کا آبائی تعلق ملتان سے تھا۔ شہید کے والد گرامی کافی عرصہ جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی سیکرٹری جنرل بھی رہے ہیں۔ شہید افتخار احمد انتہائی ملنسار اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے دعا بعد از موت بتا دی کہ ایک یادگار مناظرہ بھی کیا تھا۔ کوئٹہ میں شہید کے گھرانے نے مدارس اہل سنت کے قیام کے لیے ایک عظیم خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ صوبہ بلوچستان میں قیام امن کے لیے آپ کی شہادت سے قبل آپ سرکاری ٹی وی چینل ”بولان“ پر ایک پروگرام بھی کیا تھا۔

الحکومت پاکستان سے پُر زور مطالبہ ہے کہ شہید کے قاتلوں کو فوری گرفتار کر لیا جائے۔

شب کی المناک داستان سنانے لگا۔ ابھی داستان غم مکمل نہ ہوئی تھی کہ ایک سپہ ہونے قاصد نے دربار کسریٰ میں حاضری کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اس نے ایک خط حاضر خدمت کیا۔ خط پڑھ کر کسریٰ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ خط میں تحریر تھا کہ آتش کدہ ایران جو ہزار سال سے فیروزاں تھا اور پوجا کے لیے کبھی سرد نہ ہوا تھا آج شب از خود بجھ گیا ہے۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی کسریٰ کے چٹکے چھوٹ گئے اور غم و الم میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی اتنے میں ایک مجوسی عالم حاضر دربار ہو کر کہنے لگا اے شاہ کسریٰ! تیری سلطنت سلامت رہے آج رات میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے کہ ”طاقتور اونٹوں کو عربی گھوڑے مارتے ہوئے دریائے دجلہ عبور کر کے اطراف کے شہروں میں داخل ہو گئے ہیں۔“ شاہ کسریٰ نے پوچھا اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ اس نے جواب دیا دیار عرب میں کوئی عجیب و غریب واقعہ رونما ہونے والا ہے جس کے باعث عرب، غم پر غالب آجائے گا۔

شاہ کسریٰ نے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے فوراً نعمان بن الہمدان کو خط لکھا کہ مجھے ایسا صاحب علم و بصیرت شخص مطلوب ہے جو ان پیش آنے والے واقعات کی حقیقت طشت از بام کرے۔ نعمان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عبدالمسیح غسانی کو ایوان کسریٰ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو شاہ کسریٰ نے تمام واقعات بیان کیے۔ عبدالمسیح غسانی نے سن کر کہا ان واقعات کی حقیقت کا صحیح علم میرے ماموں سلطیح غسانی کو ہوگا جو ایک شہرت یافتہ کاہن ہے اور ملک شام میں رہتا ہے۔

شاہ کسریٰ نے کہا اس کے پاس جاؤ اور حقیقت دریافت کرو۔ عبدالمسیح طویل سفر طے کر کے ملک شام پہنچا تو سلطیح غسانی بستر مرگ پر زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ اس نے اسے سلام کیا مگر سلام کا جواب نہ ملا۔ عبدالمسیح نے زور زور سے شعر پڑھنے شروع کیے تو سلطیح غسانی نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا تجھے ایران کے بادشاہ نے برق رفتار ناقہ پر اس لیے میرے پاس بھیجا ہے کہ پیش آئندہ واقعات کی حقیقت ظاہر ہو سکے تو سن! ایوان کسریٰ کے میناروں کا گرجنا، آتشکدے کا جھجنا، دریائے ساوہ کا خشک

ہونا، مجوسی عالم کا خواب دیکھنا یہ سب نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے نشانات ہیں۔ گرنے والے میناروں کی تعداد اس کے خاندان میں آخری ہونے والے چودہ بادشاہوں کی علامت ہے۔ یہ کہہ کر سلطیح غسانی مر گیا۔

عبدالمسیح واپس آیا اور اس نے شاہ کسریٰ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو اس کی جان میں جان آنی اور کہنے لگا میرے خاندان کے چودہ افراد کی حکومت ختم ہوتے نہ جانے کتنا عرصہ گزر جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان قدرت کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانیہ میں ایران کو فتح کر لیا اور یوں دنیا کی سپر پاور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلامی ریاست بن گئی۔

یہ میلاد النبی ﷺ کے معجز نمائی کا ہی صدقہ ہے کہ ڈیڑھ ارب سے زائد لوگ مسلمان ہیں۔ 57 سے زائد اسلامی ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔ ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کی تمام تہذیبیں اور قومیں اسلام کی مقناطیسی کشش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں ہیں۔ ہر روز غیر مسلم حلقہ جگوش اسلام ہو رہے ہیں اور اسلام کے سنہری اصول و ضوابط سے ہر تہذیب و قوم استفادہ کر رہی ہے۔ اے بادہ کشان غفلت، اے خفنگان شب ملامت میلاد النبی ﷺ کی صبح ایک ہی پیغام خدا ہی ہے اور ایک ہی دعوت دے رہی ہے۔ وہ یہ کہ حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے عطا فرمودہ شرف و شرف سے رہنا چاہتے ہو تو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہو کر پرچم اسلام کو مضبوطی سے تھام لو اور اسے سر بلند کرنے کے لیے سردھڑکی بازی لگا دو۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے



کے تحفظ کے لیے قلمی استحکام ناگزیر ہے

اہل سنت

مولانا خوشتر نورانی علیہ

مولانا خوشتر نورانی علیہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے پوتے اور علمی وارث ہیں۔ غالباً ساٹھ کی دہائی میں حضرت رئیس القلم نے ٹھٹھکے سے سنی جریدہ ”جام نور“ شروع فرمایا تھا جو وقتاً فوقتاً معیار کے لحاظ سے نور کا جام ثابت ہوا اور بہت جلد اس رسالے نے ترقی کی منازل طے کی تھیں۔ حضرت رئیس القلم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے چنانچہ جب آپ کی تصنیفی، دعویٰ، اصلاحی اور سیاسی مصروفیات بروہیں تو ”جام نور“ کا اجراء رک گیا۔ 2000ء میں حضرت علامہ کے پوتے مولانا خوشتر نورانی علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد 2 سالہ صحافتی کورس میں مشغول ہو گئے اور جلد ہی ”جام نور“ کی دہلی سے نشاۃ ثانیہ فرماتے ہوئے ”رئیس القلم نمبر“ منظر عام پر لائے۔ اکتوبر 2002ء سے جام نور کا باقاعدہ آغاز کیا جو اس وقت تک شان و شوکت سے جاری ہے۔ رئیس القلم نمبر کے علاوہ مئی 2003ء میں امام اہلسنت نمبر اور مئی 2004ء میں جہاد نمبر آپ کے نمایاں کارنامے ہیں۔ مولانا خوشتر نورانی دینی و ملی معاملات پر بے لاگ تبصرے و تجزیے کرتے ہیں بلکہ ہر اوقات ایسی موزوں باتیں لکھ اور کہہ ڈالتے ہیں جنہیں بعض لوگ سوچ تک ہی محدود رکھتے ہیں اور قلم و زبان کی نوک پر لانے سے گھبراتے ہیں۔ بہر کیف درج ذیل مضمون میں مولانا خوشتر نے اہلسنت کی زبوں حالی کے ایک گوشہ پر خامد فرسائی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آتے ہی امت محمدیہ پر حریم خداوندی سے رحمت و نور اور فیضان کرم کے درپے کھول دیے جاتے ہیں اور شہنشاہ ہفت اقلیم کا کلمہ پڑھنے والوں پر عطاؤں کی ایسی برکھا ہوتی ہے کہ عصیاں شعاروں کے نامہ اعمال سے معصیت کے دھبے چشم زدن میں دھل کر صاف و شفاف ہو جاتے ہیں۔ جہاں اپنے گنہگار بندوں پر قسام ازل کی عنایتوں کا تلاطم اپنے عروج پر ہوتا ہے وہیں ملت کے سرمایہ داروں کی فیاض تجوریاں بھی مدارس اسلامیہ کی فصیلوں کو مضبوط کرنے کے لیے تنگ دستی کا گلہ نہیں کرتیں اور یہ ”ادائے عثمانی“ مدارس و مساجد کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

یہ صرف اس بابرکت مہینے کی بات نہیں بلکہ ہمارے دینی غروش کے مظاہروں کے لیے کچھ اور بھی

خاص موسم ہیں جہاں اہلیان ثروت ہی نہیں بلکہ ملت کے وہ افراد بھی ہیں جو اپنی تنگی جیب پر زندگی بھر قسمت سے شاکی رہے مگر جیسے ہی ربیع الاول اور ربیع الثانی کا ہلال مطلع افق پر نظر آیا، میلا دکی محافل، جلسوں کا انعقاد اور گیارہویں شریف کی تقریبات کے لیے اپنے مال و زر اور وقت کی قربانی پیش کرتے ہوئے ان کی دینی امتگوں اور روحانی کیف کے عالم قابل دیدنی ہوتے ہیں۔ ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہماری عقیدت و وارثی جذبات کا مظاہرہ چاہتی ہے اور معاشرتی سطح پر بدعقیدگی کے خلاف پر امن احتجاج بھی۔ مگر اس سے قبل ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عالمی سطح پر چلائے جانے والے کیسیریا ماحول میں باعزت زندگی گزارنے کی فکر اپنی شناخت کا تحفظ مذہب و مسلک کا دفاع اور ہمارے خلاف عالمی پیمانے پر رچی جانے والی سازش کی نقاب کشائی ان مجالس و محافل، ہنگامہ عقیدت و محبت اور افزائش مدارس و مساجد سے نہیں ہو سکتی۔

ہم نے اپنے ایام طفولیت میں ہی کہیں پڑھا تھا کہ ”قلم کی طاقت تلوار سے کہیں بڑی ہوتی ہے“ وقت گزرنے کے ساتھ اقوام عالم کی جسمانی اور فکری جنگوں کے تاریخی مطالعے نے دانشوروں اور فلسفیوں کو تلوار کے مقابلے میں قلم کی عظمت و برتری کو متعین کرنے میں سہولت دی اور تمام اہل فکر و نظر نے بلا تفریق مذہب و ملت یہ کہہ دیا ہے کہ قلمی استحکام کے بغیر کوئی جماعت بھی طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ صحافت و قلمی طاقت کا ہی کرشمہ ہے کہ باطل افکار نے اپنے بطلان کے باوجود شرعی سے غرب تک اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں، ان کا فتنہ صبح کو جنم لیتا ہے، دوپہر کو جوان ہوتا ہے اور شام ہوتے ہوتے اہل حق کے لیے ایک مسلسل آزار بن جاتا ہے، جب کہ انہیں کسی خارجی قوتوں سے خطرہ نہیں پھر بھی وہ اپنے طبقاتی وجود کو منٹنے سے بچانے کے لیے پریس و لٹریچر کے ذریعے مسلک حق کے خلاف اپنی فکر و نظریاتی جنگ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ ہم اپنے وجود و عقائد کا سرشت ہزار اقدس کی دہلیز سے جو کر اپنی اخروی نجات پر نازاں تو رہتے ہیں مگر اس کی اشاعت، تحفظ اور استحکام کے لیے صحافت و قلمی احمیاء و ان کے استعمال کو ضروری نہیں سمجھتے۔ مجھے حیرت ہے اہل سنت کے ان

قائدین پر جو ملک و بیرون ملک کے مسلسل اسفار کے باوجود بد مذہبوں کی فکری وسعت، ان کے نظریاتی جنگ کے طریقوں اور نئی نسلوں پر ان کی گرفت کو دیکھ کر بھی اپنی جماعت کے لیے ”دعا خوانی“ سے زیادہ کچھ نہیں کرتے بلکہ اپنے عوام کو اخروی سعادت کے حصول کے لیے ”ایصالِ ثواب“ کا جو تصور پیش کرتے ہیں اس کے دائرے میں مدارس و مساجد اور جلسہ و جلوس کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے جگہ نہیں نکل پاتی۔ انہوں نے اہل سنت کے استحکام کے لیے اپنی قوم کو لٹریچر کے فروغ کا تصور کیوں نہیں پیش کیا؟ میرا خیال ہے کہ حالی کا یہ شعر یاد ان نکتہ داں کے لیے کافی ہوگا کہ:

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی

بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

ماضی میں جماعت و ملت کے لیے اپنے دلوں میں سوز و گداز رکھنے والے جن چند حساس دل قائدین نے جماعتی استحکام کے لیے قرطاس و قلم کی طرف اپنی قوم کی توجہ مبذول کرواتے رہے ہیں ان میں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی سرفہرست ہے جنہوں نے فکری مزاج کی تعمیر میں قلم کی اہمیت و افادیت پر ہمیشہ ملت کو جھنجھوڑا۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ: ”ایک عرصے سے چیخ رہا ہوں کہ زندہ رہنا ہے تو سوچنے اور ہر تھے کا انداز بدلنا ہوگا۔ فولاد کی تلوار کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اب قلم کی تلوار سے معرکے سر کیے جا رہے ہیں۔ پہلے کسی محد و در قتبہ میں کفر و ضلالت کی اشاعت کے لیے ساہا سال کی مدت درکار ہوتی تھی اور اب پریس کی بدولت صرف چند گھنٹوں میں شقاوتوں کا ایک عالمگیر سیلاب امنڈ سکتا ہے۔ آج ہندوستان کا ہر فرقہ قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے۔ اتنا مسلح کہ اس یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جا رہی ہے مگر ہمارے یہاں جس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے وہ تقریروں کا اسٹیج ہے۔ اس مد پر ہم لاکھوں روپے بے دریغ لٹا دیتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی مکان محسوس نہیں ہوتی البتہ قلم کے ذریعے دین کی خدمت کے سوال پر سرد مہریوں کا تماشہ قابل دید ہوتا ہے۔“

آقایانِ خانقاہ کی تال پر قفس کرنے والی قوم نے دل مضطرب کی اس پکار کو مجنوں کی ”بڑ“ سمجھا۔ جماعتی اشاعت و استحکام کے تئیں ہماری بے فکری غیر منظم طریق کار اور غفلتوں کے نتیجے میں ملک گیر پیمانے پر آج ہمارا دائرہ اثر ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نئی نسلوں پر ہماری مسلکی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے تعلیم یافتہ طبقہ تبلیغ و اشاعت میں ہماری جہل پسندانہ سرگرمیوں سے متنفر ہوتا جا رہا ہے۔ عقیدے کے محاذ پر ان گنت مکاتب فکر پریس و لٹریچر کے ذریعے ہماری مسلکی روایتوں کا آپریشن کر رہے ہیں اور مذہبی محاذ پر سنگھی یلغار ہمارے مذہب کے لیے درپے آزار بنا ہوا ہے مگر وحدت فکر و خیال کے لحاظ سے عدوی اکثریت کا ہم راگ الاپنے والوں نے اپنے آپ کو چھوٹی چھوٹی منڈلیوں میں کچھ اس طرح تقسیم کر لیا ہے کہ کسی وسیع میدان میں قدم رکھتے ہوئے ہمیں وحشت محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہمارے قائدین اور علماء نے ”انفاق فی سبیل اللہ“ کے زمرے میں قلمی استحکام کو اہمیت نہ دے کر اپنے ہی پیروں میں کلہاڑی مار لی ہے۔ جنہوں نے جماعتی اشاعت کے لیے اہل قلم پیدا کرنے اور لٹریچر کو عام کرنے کے لیے تربیت گاہ و لوح و قلم تعمیر کرنا چاہا ان کے منصوبے ہزار کوششوں کے باوجود قرطاس سے زمین پر نہ اتر سکے۔ جنہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر مذہبی ادب اور جماعت کے فروغ کے لیے کتابیں لکھ دیں تو ان کے فکری شاہکار الماریوں میں بند ہو سکوں گے لیے قلم تر بن گئے۔ جنہوں نے رسائل و جرائد کے ذریعے مذہبی صحافت کی خاردار وادیوں میں اس فکر کے ساتھ قدم رکھنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کیا کہ کچھ دنوں میں قلمی مہم کے اس سفر میں ملت کے غیور افراد کا ایک کارواں ہمارے ساتھ ہوگا مگر کچھ ہی دور چلنے کے بعد ان کو یہ احساس ہوا کہ وہ اس راہ میں بالکل تنہا ہیں۔ بالآخر مسلسل ناکامیوں اور بے اعتنائیوں کی وجہ سے وہ تھک کر بیٹھ گئے اور عزم و ہمت کی یہ تحریک بھی وہیں ختم ہو گئی۔ اگر ہم اہل سنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا فکری مزاج بدلنا ہوگا ورنہ ہماری بہادریوں کا قصہ کون کر سکتا ہے؟



دیا گیا۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ کسی قادیانی کے ہوتے ہوئے پاکستان ایٹمی پروگرام میں کوئی پیشرفت کر لیتا۔ 1977ء میں جب محسن پاکستان ڈاکٹر خان واپس تشریف لائے تو کسی قادیانی نے بھرپور کوشش کی کہ ڈاکٹر خان اس کے ماتحت کام کریں لیکن محبت وطن اعلیٰ عہدیداروں نے اس صہیونی منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ ڈاکٹر خان نے راولپنڈی کے قریب کہوٹہ کے مقام پر ایٹمی پلانٹ کی بنیاد رکھی۔ 1979ء میں ڈاکٹر خان کی اس جرأت پر مغربی میڈیا نے منظم انداز میں بھرپور کردار کشی کی مہم شروع کی۔ 15 نومبر 1983ء کو ہالینڈ میں ڈاکٹر خان پر ایٹمی راز چرا کر پاکستان لے جانے کے الزام میں 4 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ بعد میں حکومت پاکستان نے اس مقدمے کی پیروی کی اور ڈاکٹر خان 1986ء میں رہا ہوئے۔

ڈاکٹر خان کی انتھک محنت، حب الوطنی اور ان گنت خدمات کی بدولت صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے یکم جنوری 1984ء کو کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا نام بدل کر عبد القدیر خان ریسرچ لیبارٹری (A.Q.R.L) رکھ دیا جسے خان ریسرچ لیبارٹری (K.R.L) بھی کہا جاتا ہے۔

1998ء میں جب بھارت نے 15 ایٹمی دھماکے کیے تو جواباً پاکستان نے یکے بعد دیگرے 6 ایٹمی دھماکے کر کے ہندو نیپے کو لگام دے دی۔ ان دھماکوں نے نہ صرف پاکستان دشمنوں کی نیندیں حرام کر دیں بلکہ یہود و ہنود کے بھی ہوش اڑ گئے۔ صہیونی آقاؤں کو پہلے ہی ڈاکٹر عبد السلام قادیانی اور منیر احمد خاں قادیانی کی بدولت پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے متعلق اہم معلومات مل چکی تھیں چنانچہ ایک سازش کے تحت پاکستان کا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کی کوشش کی گئی۔

1999ء کے فوجی شب خون کے بعد امریکہ کو پاکستان کا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کا سنہری موقع میسر آیا چنانچہ انہوں نے پاکستانی فوجی حکمرانوں کو اس شرط پر اپنی حمایت کا یقین دلایا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی ڈاکٹر عبد القدیر خان کو ایٹمی پروگرام سے دور رکھیں اور ایٹمی پروگرام میں فوجی قدامت کریں۔ جب انہیں اس سازش میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو

محسن پاکستان ڈاکٹر عبد القدیر خان منہج حیات

عالم اسلام کے قابل فخر سپوت، عظیم سائنسدان، محسن پاکستان ڈاکٹر عبد القدیر خان 1936ء کو بھوپال (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب 13 ویں صدی کے عظیم مسلم فاتح سلطان شہاب الدین غوری سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم بھارت میں حاصل کرنے کے بعد آپ کے خاندان نے 1952ء میں پاکستان ہجرت کی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے محسن پاکستان نے جرمنی، ہالینڈ اور بیلجیم کے مختلف اداروں کا رخ کیا اور جلد ہی اپنے شعبے کے ممتاز سائنسدان کہلائے۔ 1972ء میں ہرینیم افروڈی میں مہارت تامہ حاصل کی لیکن اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کی خدمات پاکستان کے لیے وقف نہیں تھیں۔

18 مئی 1974ء کو جب بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو ڈاکٹر عبد القدیر نے اپنے پیارے وطن کی مٹی کا قرض اتارنے کے لیے حکمران وقت ذوالفقار علی بھٹو سے رابطہ کر کے اپنی خدمات پیش کیں جسے بھٹو صاحب نے بخوشی قبول کرتے ہوئے آپ کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر عبد القدیر نے اپنے عارضی قیام پاکستان میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول میں درکار اہم مواد کی فہرست پیش کی۔ جسے قادیانی لابی نے غیر موثر بنا دیا اور ڈاکٹر صاحب کے اگلے دورے تک کوئی خاطر خواہ کام نہ ہوا جسے دیکھ کر ڈاکٹر عبد القدیر کا دل پھو پھو رہو گیا لیکن انہوں نے عزم مصمم کر رکھا تھا کہ پاکستان کو ہر قیمت پر ایٹمی قوت بنا کر دم لیں گے۔

یوں تو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کا ایٹمی پروگرام 1972ء سے شروع کر رکھا تھا لیکن بد قسمتی سے پاکستان اٹانک انرجی کمیشن (PAEC) کا ڈائریکٹر بین ایک متعصب قادیانی منیر احمد خان کو بنا

انہوں نے ڈاکٹر عبد القدیر پر جوہری ٹیکنالوجی کی منتقلی کا الزام دھڑ دیا۔

وقت کے آمروں نے بھی اس سازش کا مقابلہ کرنے کی بجائے ڈاکٹر عبد القدیر کو قربانی کا بکرا بنانے میں ہی عافیت جانی اور 4 فروری 2004ء کو محسن پاکستان کو سرکاری ٹیلی ویژن پر اپنے ناکردہ گناہوں کا معافی نامہ پڑھنے کے لیے تھما دیا گیا۔ پاکستان کے اس عظیم محسن نے ایک بار پھر قربانی دیتے ہوئے تمام الزامات کو اپنے کندھوں پر لے لیا اور ملک کو عالمی صہیونی گزند سے محفوظ رکھا۔

وقت کا پہیہ گردش کرتا رہتا ہے۔ 5 سال قبل ڈاکٹر خان کو مجرم بنا کر پیش کیا گیا اور 5 سال بعد وہی ڈاکٹر خان انہیں فوجی ڈیکٹیٹروں کی بنائی ہوئی عدالت میں بے قصور ثابت ہوئے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ نے طویل مقدمہ کی سماعت کے بعد ڈاکٹر خان کو تمام الزامات سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے رہا کرنے کا حکم دیا۔ انتہائی سادہ اور سیدھا سا سوال ہے کہ ڈاکٹر خان کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے دور رکھ کر کن کی خدمت کی گئی اور کن کا حق نمک حلائی ادا کیا گیا؟

کیا اہل پاکستان کے پاس محسن پاکستان ڈاکٹر خان کے احسانات کا بدلہ ہے؟ اگر ڈاکٹر خان محنت نہ کرتے تو خدا نخواستہ آج پاکستان کو بھی غزہ جیسی صورتحال سے درپیش ہونا پڑتا۔ ڈاکٹر خان پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور پاکستان کے دشمن وہی ہیں جنہوں نے آج تک ملک عزیز کے وجود کو تسلیم نہیں کیا، جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی معلومات اپنے آقاؤں کو فراہم کیں اور جو شرمناک سی پاکستان اس کے ایٹمی پروگرام اور اس کے بانی کے دشمن ہیں۔

انہیں دین فروش اور غداران وطن کے متعلق محسن پاکستان کا کہنا ہے کہ

● اس میں ذرا بھر بھی شبہ نہیں کہ عرصہ دراز سے قادیانی ملک کے اندر اور باہر یہودی لابی سے مل کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے مغربی ممالک کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں اور بے جا پابندیاں پیدا کر کے ہماری فی ترقی کو مفلوم بنانے میں

شغول ہیں۔

● ڈاکٹر عبد السلام قادیانی کو نوبل انعام (نظریات کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبد السلام 1957ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے اور آخر کار آئن سٹائن کی صد سالہ وفات پر ان کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبد السلام قادیانی کو بھی اس انعام سے نوازا گیا۔ ۲



ایٹمی مقابلہ

① عقیدہ ختم نبوت کیا ہے؟

② کس بزرگ ہستی نے لعین قادیاں مرزا قادیانی کو بے نقط (بغیر لفظوں کے) عربی قصیدہ

پڑھنے کے لیے دیا اور وہ اس کا ایک شعر بھی نہیں پڑھ سکا؟

③ مرزا قادیانی نے اپنے کس بیٹے کو قادیانیت قبول نہ کرنے کی وجہ سے جائیداد سے عاق کیا تھا؟

④ دجال قادیان مرزا قادیانی کس دن کو منجوس کہتا تھا اور خود بھی اسی دن واصل جہنم ہوا؟

﴿نوٹ: درست جوابات دینے والے خوش نصیبوں کو انکا شمار بالکل فری﴾

﴿جواب نوٹ کروائیں صرف عصر تا مغرب 0321-4370406﴾

۱۔ ہفت روزہ چٹان ۳۱ اگست ۱۹۸۶ء جلد ۳۹، شمارہ ۲۳

۲۔ ہفت روزہ چٹان ۶ فروری ۱۹۸۳ء جلد ۳۷، شمارہ ۳

یاد ماضی عذاب ہے یارب

ڈاکٹر عبد القدیر خان

محسن پاکستان ڈاکٹر عبد القدیر خان کا تعارف گزشتہ مضمون میں شائع ہو چکا ہے۔ پیش نظر مضمون ڈاکٹر صاحب کی وطن عزیز سے بے لوث محبت اور جذبات کا عکاس ہے جسے افادہ قارئین کے لیے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہم سب کی زندگی میں کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں جو کبھی نہ کبھی ہمیں یاد آتے رہتے ہیں۔ بعض واقعات بہت خوشگوار ہوتے ہیں اور بعض بہت ہی تکلیف دہ۔ خوشگوار واقعات کی یاد جب آتی ہے تو ہمارے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے اور ہم دل ہی دل میں اس واقعہ کو یاد کر کے خوش ہوتے ہیں ایسے واقعات عموماً مختصر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ناخوشگوار واقعات کی یاد بہت دیر پا اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ کچھ یادیں امتحان سے وابستہ ہوتی ہیں کہ امتحان بہت سخت تھا، سخت پریشانی تھی اور نیندیں اڑ گئیں تھیں۔ کچھ یادیں بعض مشکل اور تکلیف دہ واقعات سے وابستہ ہوتی ہیں جو آپ نہ کبھی بھلا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ جلد آپ کو اس سے نجات دیتی ہیں۔

خوشگوار واقعات تو میری زندگی میں بہت آئے اور اللہ تعالیٰ کا کرم رہا کہ ان کی یادیں آج بھی نہایت خوشگوار ہیں مثلاً تعلیم میں کامیابی، شادی، بچوں کی پیدائش، ان کی تعلیم، اچھی باعزت ملازمت، پاکستان میں آمد، اہم کام کا کامیابی سے مکمل کرنا، ملک کو ناقابلِ تسخیر دفاع مہیا کرنا اور سب سے بڑھ کر عوام کی دلی اور والہانہ اور بے لوث محبت۔ مگر سب سے بڑا اور تکلیف دہ واقعہ جو آج بھی دل میں خجھر کی طرح چبھتا رہتا ہے وہ ہے 16 دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان میں ہماری افواج کی ذلت آمیز شکست اور ہتھیار ڈالنا۔ ہر سال جو منی دسمبر کا مہینہ قریب آتا ہے تو میرا دل غم سے بیٹھ جاتا ہے اور میں ایک ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ یہ ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب اور دن ہے۔ جو لوگ اس کو بھول گئے ہیں

بھولنا چاہتے ہیں وہ بے حس ہیں اور اگر خدا نخواستہ یہ ملک بھی تباہ ہو جائے تو ان کو کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ اکتوبر 1971ء میں میں نے اپنی ڈاکٹریٹ کی تھیس مکمل کر لی تھی اور داخل کروا چکا تھا۔ پچھلے کئی ماہ سے اپنے کام سے متعلق بین الاقوامی رسالہ جات میں ریسرچ مقالہ جات شائع کر رہا تھا مگر چند ماہ سے نہ دماغی سکون تھا اور نہ ہی کام میں دل لگ رہا تھا۔ مجھے ایک کتاب کی تکمیل کرنا تھی جو میں ہالینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر ولیم برگرس کی سالگرہ پر ان کو پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ پروفیسروں سے اس کتاب کے لیے مقالے لکھوائے تھے اور خود بھی ایک مقالہ تحریر کیا۔ یہ کتاب ہالینڈ کی مشہور کمپنی نے شائع کی تھی جو ایک بڑی تقریب میں ڈیلفٹ کی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں (جس میں امریکہ، انگلستان، فرانس، جرمنی، آسٹریا، ہالینڈ وغیرہ کے پروفیسروں نے شرکت کی تھی) پروفیسر برگرس کو پیش کی گئی تھی۔

جب مارچ 1971ء میں بچی خان نے جنرل ٹکا خان سے مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کروایا تو میں نے یہی یقین کیا کہ واقعی مشرقی پاکستان والے دہشت گرد ہندوستانیوں کی مدد سے وہاں گڑبڑ کروا رہے ہیں آہستہ آہستہ جب اخبارات اور ٹی وی نے حقائق بیان کرنا شروع کئے تو دماغ الجھن میں پڑ گیا۔ میں نے کراچی میں ایوب خان کے ابتدائی دور میں فوجیوں کو دیکھا تھا اور میرے دل میں ان کی بے حد عزت تھی مگر اب نہتے بنگالیوں کا قتل عام، ہزاروں حاملہ لڑکیاں اور نہایت اندوہناک تصاویر دیکھیں جن میں کتے بچیوں کی لاشیں گھسیٹ رہے تھے اور ان کو کھارہے تھے تو بے حد دکھ ہوا۔ میرے ساتھ بازو والے فلیٹ میں ڈاکٹر عبد الجبید ملّا اور ان کی بیگم ڈاکٹر عائشہ قیام پذیر تھے۔ وہ میڈیکل سائنس میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ ڈھاکہ سے تھے اور ہمارے بے حد اچھے دوست اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ ان کی دو بچیاں ہماری بچیوں کی ہم عمر تھیں اور بے حد اچھی دوست تھیں۔ ہمارے تعلقات میں فرق نہیں آیا مگر جب ملتے تھے تو اندرونی طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ درمیان میں خلیج پیدا ہو رہی ہے۔ وہ دن یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے پاکستان کے خلاف جب مظاہرہ کا انتظام کیا تو

میں نے سمجھا بھلا کروہ ملتوی کروادیا کہ طلباء اور اساتذہ کو سیاست میں نہیں پڑنا چاہیے۔

اس سے پیشتر 1965ء میں 'میں نے ہالینڈ میں مشہور پروفیسر ڈاکٹر ڈے یگ کو کشمیر کے بارے میں تفصیلی خط لکھ کر اور بات کر کے پاکستان کے موقف کا قائل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت جنگ کے دوران ہندوستانی نقطہ نظر زیادہ پیش کرتے تھے۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر متوازن تبصرہ کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد 16 دسمبر 1971ء کا دن آیا اور مجھے اپنی آنکھوں سے وہ سیاہ ترین دن بھی دیکھنا پڑا جب جنرل امیر عبداللہ خان نیازی پلٹن میدان میں بیٹھ کر ہندوستانی جنرل اور ا کے سامنے شکست نامے اور ہتھیار ڈالنے کے معاہدہ پر دستخط کر رہے تھے۔ میں کئی دن سو نہ سکا' بھوک مر گئی اور کئی کلو وزن کم ہو گیا۔ میں یہی افسوس کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ منحوس دن کیوں دکھانے کو زندہ رکھا۔ جس وقت مغربی پاکستان کی فوج نے مشرقی پاکستان میں بدنام زمانہ آرمی آپریشن شروع کیا اس وقت ہمارے انقلابی شاعر حبیب جالب مرحوم نے یہ قطعہ کہا تھا۔

1971ء کے خون آشام بنگال کے نام

محبت گولیوں سے بو رہے ہو

وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو

گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے

یقین مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

بعد میں معتبر ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ فوج نے 100 سے زیادہ بنگالی دانشوروں کو گرفتار کر کے ڈھا کہ کے باہر قتل کر کے اجتماعی قبر میں دفن کر دیا تھا۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہ آتا تھا لیکن جب پاکستان آیا اور میرے ساتھ کام کرنے والے پرانے فوجی سپاہیوں اور نچلے درجہ کے افسران سے تفصیلات کا علم ہوا تو میرا سر شرم سے جھک گیا۔ رہی سہی کسر مشرف نے اپنی ہی فوج کو اپنے ہی عوام کے خلاف استعمال کر کے اور لال مسجد میں معصوم بچیوں کو فاسفورس بم سے جلا کر اور مارکر پوری کر دی۔

فوجی کارروائی جو اپنے ہی عوام کے خلاف قبائلی علاقہ میں جاری ہے اسے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ہر خبر غور سے پڑھتا ہوں تو فوراً مجھے میرے پرانے دوست محسن بھوپالی کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

اس لیے سنتا ہوں محسن ہر فسانہ غور سے

اک حقیقت کے بھی بن جاتے ہیں افسانے بہت

میں 1972ء کے اوائل میں اسٹریڈم چلا گیا اور وہاں یورینیم کی افزودگی میں مہارت حاصل کی۔ مجھے پھر بھی ہر وقت 16 دسمبر 1971ء یاد آ کر دکھ دیتا رہتا تھا۔ جب 18 مئی 1974ء کو ہندوستان نے دنیا کو دھوکہ دے کر ایٹمی دھماکہ کیا اور بھٹو صاحب کی بار بار وارننگ کو نظر انداز کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب پاکستان کا قیام و وجود بہت خطرہ میں پڑ گیا ہے اور ہندوستان ہمیں چند سالوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ستمبر 1974ء کو میں نے بھٹو صاحب کو بم بنانے کی پیش کش کی تو انہوں نے فوراً آنے کی دعوت دے دی۔ میں ان کو تمام ضروری چیزیں بتلا کر واپس چلا گیا اور جب اواخر دسمبر 1975ء میں ان کی دعوت پر دوبارہ آیا تو کچھ کام نہیں ہوا تھا۔ جب میں نے ان کو یہ بتلایا تو انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس نہ جاؤں اور رک کر ایٹم بم بنائوں۔ باقی حالات کہ کس طرح سب کچھ چھوڑا، کتنی خطیر تنخواہ پر کام کیا اور کن کن مشکلات و سازشوں کا سامنا کرنا پڑا یہ سب اب ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔

میرے رفقاء کار اور میں نے نہایت کم عرصہ میں بفضل تعالیٰ اس ملک کو ایک ایٹمی اور میزائل قوت بناتے ہوئے ملک کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ میں نے اربوں ڈالر کی ٹیکنالوجی دی اور ایک پائی معاوضہ کا نہیں ملا۔ اب موجودہ حالات میں جب غور کرتا ہوں تو اکثر خیال آتا ہے کہ کیا یہ ٹھیک قدم تھا؟ وہ فوج جو ذلت سے ہتھیار ڈال کر 2 سال قید میں رہی، جن کو میں نے ہندو فوجیوں سے ڈنڈے اور ٹانگیں کھاتے دیکھا تھا اور جو واحد طور پر میرے کام سے مستفید ہوئی۔ اس نے اپنے محسن کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس ملک کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین باب رہے گا۔ ٹیکنالوجی میری تھی

میں لایا تھا اور پاکستان نے ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا تھا اور ہم نے این پی ٹی (N.P.T) پر دستخط بھی نہیں کیے تھے پھر بھی بے رحم ڈکٹیٹر (پرویز مشرف) نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا اور خود ذلیل و رسوا ہو کر چلا گیا۔

آپ کی کون سی بڑھی عزت

میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ملکی مفاد کی خاطر زبان کھولنا مناسب نہیں اور یہ کام بھی تو مشکل ہے کہ آپ عدلیہ کو حقائق سے آگاہ کر سکیں۔

کیا عدالت کو یہ باور میں کروا پاؤں گا

ہاتھ تھا اور کسی کا مرے دستانے میں

دنیا میں یہ عام رواج ہے کہ اگر فوج شکست کھائے تو افسران کی فوراً چھٹی کر دی جاتی ہے مگر ہمارے افسران خوش قسمت تھے کہ نہ صرف وہ باعزت بحال رہے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی بھی مل گئی۔ ان کی اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جنگ نہ لڑنا پڑی۔

احمد فراز مرحوم نے ڈھاکہ میں فوجی میوزیم دیکھ کر جن احساسات کا اظہار کیا تھا وہ آج بھی ہم سب کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بلکہ دلش (ڈھاکہ میوزیم دیکھ کر)

کبھی یہ شہر میرا تھا زمین میری تھی

مرے ہی لوگ تھے میرے ہی دست و بازو تھے

میں جس دیار میں بے یار و بے رفیق پھروں

یہاں کے سارے صنم میرے آشنا رو تھے

کے خبر تھی کہ عمروں کی عاشقی کا مال

دل شکستہ و چشم پر آب جیسا تھا

کے خبر تھی کہ اس دجلہ محبت میں

ہمارا ساتھ بھی موج و حباب جیسا تھا

خبر نہیں یہ رقابت تھی نا خداؤں کی

کہ یہ سیاست درباں کی چال تھی کوئی

دو نیم ٹوٹ کے ایسی ہوئی زمیں جیسے

مری اکائی بھی خواب و خیال تھی کوئی

یہ میوزیم تو ہے اس روزبد کا آئینہ

جو نفرتوں کی تہوں کا حساب رکھتا ہے

کہیں لگا ہوا انبار استخوان تو کہیں

لہو میں ڈوبا ہوا آفتاب رکھتا ہے

کہیں مرے سپہ سالار کی جھکی گردن

عدو کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا سماں

مرے خدا میری مینائی چھین لے مجھ سے

میں کیسے دیکھ رہا ہوں ہزیمت یاراں

ستم ظریفی دیکھیے جو کام میں نے کیا اس کا سب سے زیادہ فائدہ جن کو پہنچایا اور جو ہتھیاروں کی ذلت کی بجائے سر اٹھا کر سیدھا چلنے کے قابل ہوئے انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ سلوک کیا اسے احسان فراموشی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اگر جناب بھٹو غلام اسحاق خان، جنرل محمد ضیاء الحق اور محترمہ بے نظیر بھٹو اس پر گرام کوٹنے آئے اور عدالت کرتے اور جناب میاں نواز شریف جرات اور صبر

الطی کا نام لہرہ کرتے تو ہم سب ایل کے ایڈوانی کے حکم کے مطابق گردنیں جھکا کر ادب سے اس کے سامنے مارچ کر رہے ہوتے۔ جوں جوں دسمبر آتا ہے دل سے ایک ہی دعا، ایک ہی التجا نکلتی ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا



گذشتہ سوالات کے جوابات

① 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں اہلسنت کے دو ممتاز علمائے کرام مجاہد ملت حضرت

مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ اور خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کے لخت جگر مولانا خلیل احمد قادری کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

② بقول کذاب قادیان "میں ایک دائم المرض آدمی ہوں"۔ مختصر امرزاکو سردرد کی خواب، تشنچ دل اور ذیابیطیس کی دائمی بیماریاں تھیں۔ ان کے علاوہ ہسٹریا، مرقاق، سلسل البول (کثرت پیشاب) نسیان (حافظہ کی کمزوری)، دق اور سل، لکنت، مائی اوپیا اور نامردی مرزا کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔

③ تحریک ختم نبوت 1974ء کے نتیجے میں (1973ء کے متفقہ) آئین پاکستان میں دوسری ترمیم کی گئی۔

درست جوابات دینے والے خوش نصیب

حافظ عمر فاروق اسلامیہ کالج، وقاص ارشد لاہور، امجد اعوان ننکانہ، وقار احمد لاہور

غزہ کی ایک ماں

ام حبیب

گلاب مویں کی اوڑھنی میں چھپ گیا ہے کیا؟

یہ ماہ تاب چاندنی کو اوڑھ کر سو گیا ہے کیا؟

یہ میرا آفتاب بدلیوں میں گھر گیا ہے کیا؟

ابھی ہمک رہا تھا میری گود میں، اسے ہوا ہے کیا؟

ہموں کی گھن گرج میں اس کو نیند کیسے آگئی؟

بلکہ، رہا تھا بھوک سے خاموشی کیسے چھا گئی؟

جگا رہی ہوں نیند سے مگر یہ جاگتا نہیں

مرے خدایا یہ کہیں.....؟ نہیں، مرے خدا نہیں؟

ابھی تو اس کے منہ سے ماں کا لفظ بھی نہیں سنا

ابھی تو میں نے اس کا پہلا سال بھی نہیں سنا

ابھی تو اس کی نرمیاں رچی ہیں میری گود میں

ابھی تو اس کی گرمیاں بسی ہیں میری گود میں

کھلونا کوئی اس کے واسطے میں لا نہیں سکی

سردیوں کی دھوپ میں اسے کھلا نہیں سکی

جسے چمک سمجھ کر تم نے، بہت ہی خوش ہوئے

وہ "ہم ہے میری جان! ہم" اسے بتا نہیں سکی

لو، کیا وہ اور کہانی میں کوئی سنا نہیں سکی

حماس، الفتح کشیدگی

میاں علی رضا

جب سے ان امن معاہدوں کا دور شروع ہوا ہے الفتح اور اسرائیل کے درمیان کوئی تنقیدی زبان استعمال نہیں کی گئی۔ دونوں جماعتوں کو ایک کرنے میں یورپ اور امریکہ سرگرم عمل ہیں۔ اگر مقبوضہ فلسطین کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو حقیقت میں اب مقبوضہ فلسطین میں اصلی لڑائی الفتح اور حماس کے درمیان ہے۔ ان کے درمیان کشیدگی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ ایک طرف امن معاہدے ہو رہے ہیں یعنی یورپ اور اسرائیل صرف الفتح کو اعتماد میں لے رہے ہیں یا لے چکے ہیں اور دوسری طرف حماس اور الفتح کے درمیان کشیدگی زور پکڑ رہی ہے۔

تاریخی اعتبار سے حماس اور الفتح دو الگ نظریات رکھنے والی فلسطینی نمائندہ جماعتیں ہیں۔ الفتح کا قیام 1960ء سے عمل میں آیا۔ یہ فلسطین کی سیکولر جماعت ہے جو کہ درپردہ اسرائیل کے مذموم عزائم کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ 1960ء کی دہائی سے یہ فلسطین کی نمائندہ جماعت رہی ہے لیکن اس کے کھاتے میں 60 سال گزرنے کے بعد بھی کوئی مثبت پیش رفت اور فلسطینی مقاصد کی تکمیل کا کوئی حصہ نہیں آیا۔ اس کی وجہ اس جماعت کی قیادت ہے جو یاسر عرفات سے شروع ہو کر محمود عباس تک آتی ہے۔ یاسر عرفات مسلسل وائٹ ہاؤس کا دورہ کیا کرتے تھے۔ بش اور یاسر عرفات کے درپردہ عزائم تو میڈیا کی نظر میں نہیں آئے مگر حقائق نے ثابت کر دیا کہ الفتح کو حکم نامہ وائٹ ہاؤس سے ہی جاری ہوتا ہے۔

اگر فلسطین میں حقیقی معنوں میں کوئی جماعت ہے تو وہ حماس ہے۔ حماس کا قیام 1987ء میں عمل

میں آیا۔ حماس مکمل طور پر اسلامی ہے کیونکہ یہ جماعت عرب کی مشہور مسلم نمائندہ جماعت ”انخوان المسلمون“ سے متاثر ہے۔ حماس مسلسل 20 سال سے اسرائیل اور الفتح دونوں سے مزاحمت کر رہی ہے۔ حماس کے ایجنڈے میں مقبوضہ فلسطین 100 فیصد فلسطین کے مسلمانوں کا ہے مگر الفتح کا کارنامہ تاریخ ساز تھا جب اس نے فلسطین کو تقسیم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کے مطابق فلسطین کا 77 فیصد علاقہ اسرائیل اور صرف 23 فیصد علاقہ فلسطین کے مسلمانوں کے پاس رہے گا۔ 77 فیصد فلسطینی سرزمین اسرائیل کے لیے پیش قیمت تھے سے کم نہیں۔ حماس اور الفتح کے درمیان اصل کشیدگی کا آغاز بھی اس متنازعہ معاہدے کے بعد ہوا ہے۔ جنوری 2006ء میں ہونے والے الیکشن میں عوام کا جھکاؤ مکمل کر سامنے آ گیا اور حماس نے واضح اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل کی مگر اسرائیل کے لیے یہ ناقابل قبول تھا۔ حالات کو کشید کرتے کرتے حماس کو حکومت بنانے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور پی ایل او کا صدر محمود عباس بن گیا۔ کاغذات میں صدر تو محمود عباس ہے لیکن حکم نامہ ایہود اولمرٹ (اسرائیلی صدر) کا ہی چلتا ہے۔

الیکشن میں حماس نے 80 فیصد ووٹ اور 90 فیصد سینیٹ پارلیمنٹ میں حاصل کی تھیں مگر پھر بھی حکومت نہ بنا سکی۔ اس کی وجہ الفتح اور اسرائیل کے عزائم کو خطرہ تھا۔ الفتح کو PLO کی حمایت حاصل ہے عوام کی نہیں لیکن فلسطین میں ”حماس“ کو عوامی حمایت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ عرب تنظیم انخوان المسلمون کی بھی باقاعدہ حمایت حاصل ہے۔ اگر حماس نہ ہوتی تو اس وقت تک الفتح فلسطین کو پلیٹ میں سجا کر کب کا اسرائیلی حکام کے حوالے کر چکی ہوتی اور فلسطینی عوام اس کے قبضے میں ہوتے۔

حماس نے فلسطین کی سیاست میں حال ہی میں حصہ لیا اور عوامی حمایت حاصل کر لی جس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطینی عوام کے دل میں حماس کے لیے پہلے ہی سے الفت اور محبت موجود تھی۔ کہا جا رہا ہے کہ حماس کو ایران کی حمایت بھی حاصل ہے اور حماس فلسطین میں ایران کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہے۔ درحقیقت یہ درست نہیں بلکہ حماس کا صرف ایک ہی ایجنڈا ہے کہ فلسطین کا سارا علاقہ فلسطین کے عوام

کی ملکیت ہے اور یہ صرف اس کا ہی حق ہے۔ حماس کا عرب لیگ کی حمایت کرنا کوئی عجوبہ نہیں کیونکہ عرب لیگ حماس کو دہشت گرد جماعت تصور نہیں کرتی۔ الفتح کی مدد سے یورپ اور امریکہ نے حماس کو دہشت گرد جماعت قرار دیا ہے۔ اگر حماس دہشت گرد جماعت ہے تو اسے 90 فیصد عوام کی حمایت کیوں حاصل ہے؟ اس طرح تو 90 فیصد عوام بھی دہشت گرد ہوئے۔ بالفاظ دیگر سارا فلسطین دہشت گرد ہے سوائے الفتح کے۔ تاریخ گواہ ہے کہ الفتح واحد مسلم جماعت ہے جس کو کبھی بھی مغرب کی طرف سے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

مغربی تجزیہ نگاروں کے مطابق دونوں جماعتوں کا مقصد ایک ہے مگر طریقہ کار مختلف ہے۔ یعنی حماس والے طاقت کے بل پر عزائم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور الفتح والے مذاکرات کے ذریعے۔ مگر 80 سال تک مذاکرات کے ذریعے یہی حل ہوا ہے کہ 77 فیصد علاقہ اسرائیل کو مل چکا ہے اور باقی 23 فیصد بھی الفتح کو شش کر رہی ہے کہ اسرائیل کو مل جائے۔ حماس اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم نہیں کرتی لیکن الفتح عرب لیگ سے زیادہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا احترام کرتی ہے۔ الفتح کے ایجنڈے میں یہ بات واضح موجود ہے کہ فلسطین پر جتنا حق فلسطینی مسلمانوں کا ہے اتنا ہی حق اسرائیلی عوام کا بھی ہے۔ الفتح اسرائیل کو تسلیم کر چکی ہے جبکہ حماس نے اسے نہ تو تسلیم کیا ہے اور نہ ہی کرے گی۔ دونوں جماعتوں میں یہی فرق ہے۔

1967ء کی جنگ کی ناکامی کی وجہ سے اسرائیل نے غزہ کی پٹی، مغربی کنارے اور بیت المقدس کا کچھ حصہ ہاتھ سے کھودیا جس کو وہ اپنی ناکامی سمجھتے ہیں یعنی اسرائیل کا مقصد پورے فلسطین پر قبضہ کر کے امریکہ کو تیل کے ذخائر کے قریب تر لانا ہے جو کہ حماس کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں۔ حماس ایک عظیم جماعت ہے جس کو اپنے ایجنڈے کا واضح پتہ ہے اور وہ اس پر مکمل ایمان داری سے عمل کر رہی ہے۔ شیخ یاسین کی شہادت اسرائیل نے کروائی لیکن اس میں الفتح کا ہاتھ بھی شامل تھا۔ الفتح کے مطابق شیخ یاسین کی شہادت کے بعد حماس شتم ہو جائے گی مگر نتائج اس کے بالکل برعکس تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ عرب خطے میں الفتح کی بجائے حماس اتنی مشہور کیوں ہے؟

پورے عرب خطے میں حماس حزب اللہ کی طرح مشہور اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اس کا تنظیم اخوان المسلمون سے تعلق ہونا بھی سمجھا جاتا ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ حماس اپنے آپ کو پورے عرب کے مسلمانوں کی واحد جماعت سمجھتی ہے جو قرآن و سنت کے مطابق جہاد کے راستے پر گامزن ہے۔ حماس کا ہر عنصر ہونا کوئی پروپیگنڈا نہیں بلکہ حماس کا عوام کی بھلائی اور اسلام کی بالادستی کے لیے کام کرنا ہی اسے مقبول کرتا ہے۔

الفتح کو صرف مغربی سپورٹ اور ہمدردی حاصل ہے۔ حقیقت میں مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے کارآمد ہتھیار اسرائیل ہے اور اسرائیل کا نیوکلیر ہتھیار الفتح ہے۔ خبروں میں اسرائیل اور الفتح کے درمیان جھڑپوں کی نہیں بلکہ حماس اور الفتح کے درمیان جھڑپوں کی خبریں مشہور ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل نے حماس کا زور توڑنے کے لیے الفتح کو مضبوط کیا اور حماس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ الفتح درپردہ یورپ، امریکہ اور اسرائیل کی حمایت یافتہ واحد مسلم جماعت ہے۔ عرب لیگ کے کسی بھی معاملے میں اسرائیل کی غیر موجودگی الفتح پوری کرتی ہے اور الفتح ہی کی وجہ سے اسرائیل خطے میں من مانی کر رہا ہے۔

حماس ہی واحد جماعت ہے جو اسرائیل کے خلاف اس خطے میں مزاحمت کر رہی ہے۔ الفتح تو امن کے نام پر اسرائیل کی نمائندگی کر رہی ہے۔ فلسطین میں مظلوم فلسطینیوں پر مظالم اور قتل و غارت میں الفتح کا بڑا ہاتھ رہا ہے کیونکہ اسرائیلی جب چاہتے ہیں سرحدی حدود کی خلاف ورزی کر کے خطے کے عوام کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور الفتح حکومتی جماعت ہونے کے باوجود بھی کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی۔ اس کے مقابلے میں حماس ڈٹ کر اسرائیل کے مظالم کا جواب دیتی ہے۔

خطے میں ایک جماعت کے عمل دخل یا حکومت سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ سیکولرزم اور اسلام اکٹھے کبھی نہیں ہو سکتے یعنی حماس اور الفتح میں کبھی بھی حتمی معاہدہ طے نہیں پاسکتا۔ اب یہ بین الاقوامی مسلم برادری پر منحصر ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ حماس کا ایجنڈا درست ہے یا الفتح کی روشن خیالی کی آڑ میں اسرائیل

کی حمایت کرنا درست ہے؟

حماس کو عرب لیگ فنڈز فراہم کرتی ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس کی مدد کرتی ہے جبکہ الفتح کو اسرائیل فنڈز فراہم کر رہا ہے۔ الفتح کو مسلح کرنے سے لے کر ڈالروں تک کی رسائی امریکہ سے اسرائیل کے ذریعے الفتح تک پہنچتی ہے۔

امریکہ یا اسرائیل الفتح کی کیونکر مدد کر رہے ہیں اس بات کا تجزیہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اسرائیل کے مذموم عزائم پر الفتح کا رہنما ہے اور حماس اسلامی عزائم پر۔ اس وجہ سے اسے عرب لیگ اور عرب ممالک کی مکمل سپورٹ حاصل ہے۔ حماس کا انکیشن یعنی سیاست میں اچانک حصہ لینا اسرائیل کے منصوبے میں شامل نہیں تھا جس کی وجہ سے حماس کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ آج تک حماس کے کسی نمائندے کی اسرائیل کے کسی وفد سے ملاقات یا کوئی معاہدہ طے نہیں پایا۔

حماس کو مغرب کی طرف سے انتہا پسند جماعت کا نام دیا گیا ہے اور اس کا تعلق القاعدہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہر وہ جماعت یا تنظیم جو اسرائیل کے مذموم مقاصد کے راستے میں حائل ہوتی ہے مغرب کی نظر میں وہ دہشت گرد ہے۔ سوڈان میں عمر البشیر کی جماعت پر تنقید اور بین الاقوامی عدالت میں اس کے خلاف وارنٹ کی درخواست اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں مسلم ممالک کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ مسلم ممالک میں موجود تیل کے ذخائر اور قدرتی وسائل ہیں جن کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حماس کے لیڈر کا نام خالد مشعل ہے جو کہ صرف اور صرف فلسطین کے خطے کو اسرائیلی تسلط سے آزاد کروانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ جبکہ الفتح کا محمود عباس اسرائیل کو مقبوضہ فلسطین کا حصہ بنا چکا ہے اور یہ حماس کے لیے ناقابل قبول ہے۔



فرزند دیوبند مولانا فضل الرحمن

محترم خالد مسعود خان روزنامہ جنگ کے کالم نگار اور طنز مزاح میں یدِ طولی رکھتے ہیں۔ آپ کے سنجیدہ طنز کا ایک شاہکار پیش نظر مضمون بھی ہے جس میں دیوبندی سیاسی جماعت جمیعت علماء اسلام کے امیر محترم کی پر اسرار شخصیت سے پردہ سرکایا گیا ہے۔ حال ہی میں اسی جمیعت کے ایک اور فرد نے نظیر مفتی محمود کے نورِ نظر، فضل الرحمن کے بھائی وفاقی وزیر سیاست عطاء الرحمن کی نان کشم پیڈ لینڈ کروزر پکڑی گئی ہے جس کی مالیت 80 لاکھ روپے ہے۔ اس کے علاوہ فضل الرحمن کے جگری دوست اسلام آباد میں میزبان سینٹ میں داخلہ کمیٹی کے سربراہ اور جمیعت کے اہم ترین رکن سینیٹر طلحہ محمود سے کچھ دن قبل عدالت نے ایک بیوہ کا مکان اسے واپس دلوا دیا ہے جس پر فرزند جمیعت نے قبضہ کر رکھا تھا۔ گویا ان واقعات کے پیش نظر آپ کہہ سکتے ہیں کہ آؤے کا آواہی بگڑا ہوا ہے یا.....

آتش جوئے گدا جان گدا است

جوئے سلطان ملک و ملت رافنا است

میں بدقسمتی سے دوسادات کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ ایک حسنی سید ہے اور دوسرا حسینی سید ہے لیکن دونوں بخارا سے تشریف لائے ہیں۔ میرے حسنی سید بخاری دوست کا کہنا ہے کہ میں واجب الاحترام جناب مولانا فضل الرحمن کے بارے میں کچھ زیادہ ہی ”معاندانہ محبت“ کا شکار ہوں اور دنیا داری سے قریباً تین نوری سالوں کے فاصلے پر رہنے والے مولانا فضل الرحمن کے بارے میں ضرورت سے زیادہ لکھتا ہوں۔ میرا یہ حسنی سید بخاری دوست ایک دیوبندی مدرسے کا مہتمم ہے۔ میرا دوسرا دوست حسینی سید بخاری نہ تو دیوبندی ہے اور نہ ہی کسی مدرسے کا مہتمم ہے تاہم ایک سمجھدار آدمی ضرور ہے۔ وہ ہر وقت مجھے اس بات پر بُرا بھلا کہتا رہتا ہے کہ میں مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے اور سیاست کے نام پر مذہب کا طعنے بگڑنے والے گردن گردن تک دنیا داری میں ڈوبے

ہوئے بعض لوگوں کے بارے میں نہایت ہی نرم گوشہ رکھتا ہوں اور انہیں بلاوجہ شک کا فائدہ دے کر بے ایمانی کرتا رہتا ہوں۔

میں کئی دنوں سے اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ آخر ان دونوں بخاریوں میں سے کس کا موقف درست ہے۔ تاہم مولانا فضل الرحمن کی سیاسی قلابازیوں، موقف سے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر پھر جانے کی صلاحیت، اقتدار کے لیے کسی کے ساتھ بھی معاہدہ کر لینے کی خوبی، فائدہ کے عوض کسی کو بھی ووٹ دے دینے کا حوصلہ، پرمٹوں کے عوض سیاسی حمایت فراہم کرنے کی فراست، ڈیڑھ صوبوں کی حکومت کے لیے آمریت سے تعاون، افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے عوض سترھویں ترمیم کی حمایت، کشمیر کمیٹی اور ڈیزل کے پرمٹ کے عوض اپنے عورت کی حکومت کے بارے میں دیرینہ موقف سے روگردانی، حالیہ دور میں اقتدار میں حصہ داری کے طفیل لا محدود حکومتی حمایت اور ڈھیلی ڈھالی تنقید کے پیچھے مزید حسن طلب کی خواہش کے باوجود میں کسی نتیجے تک پہنچنے میں متاثر تھا کہ اچانک حسینی سید نے ایک نہایت زوردار پوائنٹ سکور کرتے ہوئے سوال کیا کہ آخر مولانا فضل الرحمن کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ پھر وہ کہنے لگا کہ ذریعہ آمدنی سے مراد وہ ذریعہ آمدنی بتایا جائے جو ان کے شاہانہ طرز زندگی پر پورا اترتا ہو جو ان کی لینڈ کروزرز کا خرچہ برداشت کر سکتا ہو۔ پھر ساتھ ہی مزید شری پسندی پھیلاتے ہوئے کہنے لگا کہ گلے ہاتھوں آپ لوگ مجھے وزیر مذہبی امور و حج سید حامد سعید کاظمی اور وزارت عظمیٰ کی نوکری پر فائز ہونے سے پہلے سید یوسف رضا گیلانی کے طرز زندگی سے مطابقت رکھتا ہوا ان کا کوئی معقول و مناسب ذریعہ آمدنی بتا دیں تو میں آپ کو ڈیڑھ سو روپے انعام دوں گا کیونکہ فی الوقت میری جیب میں اتنی ہی رقم موجود ہے اور آج کل میں ادھار کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

میں جب بھی واجب صدا احترام حضرت مولانا فضل الرحمن کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے دماغ میں شگفتہ نگاروں کے امام العصر مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ”آب گم“ کے کردار کا بلی والا ایک جملہ آجاتا ہے کہ ”قبلہ والد صاحب نے سات قتل کیے اور سات ہی حج کیے پھر کہنے لگے کہ اب میں

اور قتل نہیں کروں گا کیونکہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھ سے مزید حج نہیں ہوتے۔“ اسی طرح جب بھی مولانا فضل الرحمن اپنی سیاسی بصیرت کے طفیل کوئی دنیاوی معرکہ سر کرتے ہیں تو اس رحیم کی حمد و ثناء کے لیے عمرے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر ہمارے حسینی سید دوست کا کہنا ہے کہ وہ اس دنیاوی فائدے سے نفس میں پیدا ہونے والے سرکشی کا دف مارنے کے لیے عمرے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ جب انہوں نے ”حقوق نسواں“ بل کے منظور ہو جانے پر حسب وعدہ استغفی نہ دیا تو عوض کے طور پر عمرہ پر روانہ ہو گئے۔ جب لال مسجد والوں کو درندوں کے حوالے کر کے لندن روانہ ہوئے تو اس کے کفارے کے لیے عمرہ پر چلے گئے۔ ڈیڑھ حکومت کے بچانے کے لیے اندر خانے حکومت وقت سے ذیل کر کے قبائلی علاقوں میں ہونے والے فوجی آپریشن پر خاموشی اختیار کرنے کے بعد حسب معمول عمرہ پر روانہ ہو گئے اور واپسی پر تروتازہ ہو گئے۔ پھر غنی زمینوں اور نئے آسمانوں کے پیچھے لگ گئے۔ وہ ایک نہایت ہی متوازن شخص ہیں جو دین اور دنیا کو نہایت کامیابی کے ساتھ باہم متصادم کیے بغیر نبھا رہے ہیں۔ تاہم ہم امید کر سکتے ہیں کہ کسی روز وہ بھی مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ”آب گم“ کے کردار کا بلی والا کے والد صاحب کی طرح اس توازن سے اعلان دستبرداری فرمادیں گے۔

آپ نے (میرے علم کے مطابق) اب تک کا آخری عمرہ صدارتی الیکشن میں آصف علی زرداری کی حمایت کے عوض ملنے والے فارم ہاؤسز کی طرز کے بارہ ایکڑ پر مشتمل چار پلاٹوں کو مبلغ 54 کروڑ روپے میں بیچنے کے فوراً بعد کیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے آصف علی زرداری کی صدارت کے لیے اپنی حمایت کو فائنا اور سوات وغیرہ میں جاری امریکی حملوں کو بند کرنے سے مشروط کیا تھا مگر جس دن انہوں نے آصف علی زرداری کو ووٹ دیا اس دن بھی امریکی ڈرون طیاروں نے وزیرستان میں میزائل داغا تھا اور جس دن عمرے کو روانہ ہوئے اس دن بھی کئی بے گناہ شہری امریکی حملے کی نذر ہوئے تھے۔ انہوں نے محض امریکی حملوں کی زبانی مخالفت اور زرداری صاحب کی عملی حمایت کے طفیل اسلام آباد

مرزا دجال کی انگریز دوستی

مولانا محمد عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری

حضرت مولانا عبد الحکیم اختر مجددی مظہری شاہجہانپوری 7 جنوری 1935ء کو شاہجہانپور، دہلی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ سہارا چیت تھے۔ روحانی طور پر شیخ کامل حضرت مولانا محمد مظہر الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرستہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ سے اجازت و خلافت عطا ہوئی۔ آپ اہلسنت و جماعت کے ممتاز مصنف، محقق، مترجم اور شارح تھے۔ قدرت حق نے احادیث نبویہ ﷺ کی خدمت کرنے کا عظیم موقع آپ کو نصیب فرمایا۔ صحیح بخاری شریف، سنن ابوداؤد شریف، مؤطا امام مالک، سنن ابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف آپ کے گرانقدر ترجمہ و حواشی کے ساتھ مظہر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے علاوہ ”برطانوی مظالم کی کہانی“ آپ کی معرکہ الآرا تصنیف ہے جس میں 1857ء کے بعد کے حالات کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ مذہبی بہروپیوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں روادار پائیت پر حضرت علامہ نے گاہ بگاہ زبردست جرح و تنقید کی ہے اور مرزائیت قادیانیت کے خوب تار پور کھینچے ہیں۔ آپ نے جامعہ غوثیہ مجیدیہ والٹن روڈ لاہور میں کئی سال عوام الناس کو علمی و اصلاحی خطبات سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا وصال 14 نومبر 1993ء کو ہوا اور نماز جنازہ حاجی محمد افضل چغتائی اشرافی نے پڑھائی۔

اور حاضر کا مسلہ امت کے تیس دجالوں میں سے ایک دجال مرزا قادیانی بھی ہے۔ مرزائے ہند اور صلیح کے دعاوی سے سلسلہ شروع کیا۔ دعویٰ نبوت کرنا تو مشہور ہے لیکن خوف خدا اور خطرہ روز جزا کو فراموش کر دینے والے اس شخص نے اپنے متعلق خدا ہونے تک کے متعدد دعاوی کیے۔ موت سے پیشتر اس نے اپنے کئی مخالفین کو چیلنج کیا تھا کہ فریقین سے جو بھی جھوٹا اور کذاب ہے اسے خدائے بزرگ و برتر دوسرے کی زندگی میں ہیضہ یا داء عنون ایسے متعدد دی مرض کے ساتھ ذلیل کر کے مارے۔ مخالفین تو سارے ہی زندہ رہے لیکن ان کی زندگی میں مرزا قادیانی ہی ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء پر دم مشکل ساڑھے دس بجے دن راہی ملک عدم ہو گیا اور اپنے جھوٹا ہونے کا سب کے

سامنے بین ثبوت پیش کر گیا۔ برٹش گورنمنٹ کے آلہ کاروں میں مرزا قادیانی کا مقابلہ سرزمین پاک و ہند میں تو کوئی نہیں ہوا چونکہ مرزا قادیانی کو یہ صفت ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ اپنے والد کے بارے میں خود یوں تصریح کی ہے:

”میرے والد کی سوانح میں سے وہ خدمات کسی طرح الگ نہیں ہو سکتیں جو وہ خلوص دل سے اس گورنمنٹ کی خیر خواہی میں بجالائے۔ انہوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ کی خدمت گزاری میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت وہ صدق اور وفاداری دکھائی کہ جب تک انسان سچے دل اور تہہ دل سے کسی کا خیر خواہ نہ ہو ہرگز دکھلا نہیں سکتا۔“۔ ۱۔

اپنے والد کے بارے میں دوسری کتاب کے اندریوں لکھا ہے:

”والد صاحب مرحوم اس ملک کے ممتاز زمینداروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ گورنری دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی۔ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے سچے شکر گزار اور خیر خواہ تھے۔“۔ ۲۔

ان کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فخریہ انداز میں ایک جگہ یوں بھی رقمطراز ہے:

”سن ستاون (یعنی ۱۸۵۷ء) کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کر کے ملک میں شور ڈال دیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس سوار پانچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیے اور پھر ایک دفعہ سو سواروں سے خدمت گزاری کی۔ انہیں مخلصانہ خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ میں ہر دلچیز ہو گئے۔ چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار میں عزت کے ساتھ ان کو کرسی ملتی تھی اور ہر ایک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے۔“۔ ۳۔

اپنے بڑے بھائی مرزا غلام قادر کی انگریز دوستی کے بارے میں موصوف نے یوں تصریح کی ہے:

۱۔ شہادت القرآن، ص ۸۴
۲۔ از لہ ادہام، ص ۵۰
۳۔ شہادت القرآن، ص ۸۴

”اس عاجز کا بڑا بھائی مرزا غلام قادر جس قدرت تک زندہ رہا اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم اور گورنمنٹ کی مخلصانہ خدمت میں بدل و جان مصروف رہا۔“ ۱۔

مرزا قادیانی خود جہاد کے سخت خلاف اور برٹش گورنمنٹ کا نمبر ایک آلہ کار تھا۔ اس امر کا اعتراف موصوف نے اپنے لفظوں میں یوں کیا ہے:

”میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اہم کام میں مصروف ہوں تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلیش کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ سے دور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔“ ۲۔

دوسری جگہ انگریزوں کی حمایت اور جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

”میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت (برٹش گورنمنٹ) کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی (امام مہدی علیہ السلام) اور مسیح خونی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی بے اصل روایتیں (جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں) اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل (جو حکم خدا اور عمل وارشاہ مصطفیٰ ﷺ) جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔“ ۳۔

موصوف نے انگریزی حکومت کے استحکام کی خاطر اس کی حمایت میں جہاد کے خلاف بے شمار کتابیں لکھیں اور اشتہار شائع کرائے اور اپنے اس اسلام دشمنی کے کارنامے پر یوں فخر کرتا ہے:

”میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔“ ۴۔

انگریزی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو برٹش

۱۔ شہادت القرآن، صفحہ ۸۴۔

۲۔ تبلیغ رسالت، جلد ۲، صفحہ ۱۰۔

۳۔ تریاق القلوب، صفحہ ۲۵۔

۴۔ ایضاً

گورنمنٹ کے مفاد کی خاطر ٹھنڈا کرنے کی غرض سے مرزا قادیانی نے تحریری طور پر جو کچھ کیا اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

”مجھ سے سرکار انگریز کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں اور بلاد اسلام میں شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کریں اور دل سے اس حکومت کے شکر گزار اور دعا گو رہیں اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں، مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے مختلف شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیے جو تا فہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا۔“ ۱۔

جس طرح اپنے دور میں جعفر بنگال اور صادق دکن ممتاز تھے اور اپنے سیاہ کارناموں کو سرمایہ افتخار سمجھا کرتے تھے اسی طرح اپنے پیش رو حضرات سے مرزا قادیانی ملت فروشی یا دین فروشی میں کم تھوڑا ہی رہ گیا تھا کہ وہ فخر نہ کرتا بلکہ معلوم تو یوں ہوتا ہے کہ موصوف اپنے میدان کے سارے کھلاڑیوں کو مات دے کر سب سے ممتاز ہو گیا تھا۔ اسی اسلام دشمنی اور ملت فروشی کے باعث اسے خود احساس تھا کہ کسی بھی اسلامی ملک میں کوئی مسلمان حکمران اس کے وجود کو برداشت نہ کر سکے گا اور برٹش گورنمنٹ کے ماتحت اور اس کی سرپرستی میں جو یہ عظیم فتنہ پرورش پارہا ہے اسلامی حکومت اسے جڑ سے اکھاڑنے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت کا خود مرزا قادیانی نے علی الاعلان اور بغیر کسی ہیر پھیر

۱۔ ستارہ قیصر، صفحہ ۷۔

کے یوں اعتراف کیا ہے:

”خدا نے اپنے فضل خاص سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہم کو حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے اور نہ مدینہ منورہ میں اور نہ سلطنت روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ میں۔“ ۱۔

دوسری جگہ موصوف نے اور وضاحت سے اسی امر کا واضح کاف اعتراف یوں کیا ہے:

”اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصر ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے اگرچہ وہ اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔“ ۲۔

مرزا قادیانی اس امر کا بھی معترف ہے کہ اسے ملکہ وکنوریہ کے حکم سے نبی بنایا گیا تھا۔ نبی بنانے والے گورنر جنرل یا وائسرائے کا نام چونکہ انہوں نے تحریر نہیں کیا لہذا اس کے ذکر کو چھوڑ کر ملکہ برطانیہ کے متعلق بیان ملاحظہ فرمائیں:

”اے بابرکت قیصر ہند! تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ خدا کی رحمت کا سایہ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔“ ۳۔

”مرزا قادیانی کو ملکہ وکنوریہ کے جس ماتحت حاکم نے نبی بنایا تھا اس سے اس کا مقصد کیا تھا اور مرزا کو کس ذیوئی پر معذور کیا گیا تھا؟ موصوف نے اس سوال کا جواب خود یوں دیا ہے:

”اس نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق جو مسیح موعود کے آنے کی نسبت تھا آسمان سے مجھے بھیجا

۱۔ تریاق القلوب، صفحہ ۲۶۔

۲۔ تحفہ قیصر، صفحہ ۴۷۔

۳۔ ستارہ قیصر، صفحہ ۱۵۔

کہ میں اس مرد خدا کے رنگ میں ہو کر جو بیت اللحم میں پیدا ہوا اور ناصر یہ میں پرورش پائی، حضور ملک معظمہ کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول رہوں۔“ ۱۔

مرزا قادیانی کو اعتراف تھا کہ وہ انگریز حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اسی لیے خود کو نبی کے طور پر قلم کرنے والوں کی خدمت میں اپنی خدمات یاد دلایں اور دست بستہ عرض پرواز ہے کہ:

”التماس ہے کہ سرکار دولت مدارا ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جاثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ احکام رائے سے اپنی چھٹیا میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کا خیر خواہ اور خدمت گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت عزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کو ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر اچھے اور میری جماعت کو عنایت و مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔“ ۲۔

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا

طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا



﴿بقیہ صفحہ 39﴾

میں چار ”ایگریڈ فارمز“ کا قرض بھی درانی صاحب کے نام پر نکالوا لیا اور پھر فانا کی صورت حال پر بند کمرے میں ہونے والے اسمبلی کے اجلاس میں اپنی جذباتی تقریر پر فانا کے ایک سینیٹر سے مبلغ ایک لاکھ روپے کا نقد انعام بھی حاصل کر لیا۔ ہمارا حسینی سید بخاری دوست مولانا کی اس ایک لاکھ روپے کی باخراہ آمدنی پر خوشیاں منا رہا ہے اور حسینی سید بخاری مولانا کی چار پلاٹوں کی کارکردگی پر ناراض ہے۔ آپ یقین کریں میں اس معاملے میں ہم حال کلک غیر جانبدار ہوں۔

افسران کہاں ہیں اور اب وہ کون کون سے اعلیٰ مراتب پر پہنچ چکے ہیں اور پاکستانی مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں میں ان کا موجودہ مقام کیا ہے؟ ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا کہ قادیانیت کو سیاسی و ہتھیار کی بناء پر معرض وجود میں لایا گیا تھا تاکہ اس سے مسلمانوں کو خصوصاً عقیدہ جہاد کے بارے میں دہشی انتشار میں مبتلا کیا جائے۔

طارق عزیز (پرویز مشرف کا سیکرٹری) جو سینہ طور پر قادیانی تھا۔ وہ رحمن ملک (وفاقی مشیر داخلہ) کا رشتہ دار اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی نیشنل سیکورٹی کونسل کا ایڈوائزر تھا۔ اب اس کی بھارت کے ساتھ ٹریک ٹو پالیسی کے لیے خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔ اس کا عہدہ اور تنخواہ ایک وفاقی وزیر کے برابر ہوگا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی مبینہ طور پر ذوالفقار علی بھٹو کے ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کی پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے والے فیصلہ کو کالعدم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں ایک قرارداد لانے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔

۸ ستمبر ۲۰۰۸ء کو ایم کیو ایم کے بانی وقائد الطاف حسین نے کہا کہ ”ایم کیو ایم کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش کی جارہی ہے۔ جس میں لوگوں، مساجد اور امام باڑوں میں ای میلز اور فیکس بھیجی جارہی ہیں جن میں احمدیوں (قادیانیوں) اور شیعوں کے خلاف نفرت پھیلانی جارہی ہے۔ ایم کیو ایم کا تاثر خراب کرنے کے لیے غلط طور پر ایسی منظر کشی کی جارہی ہے کہ گویا ایم کیو ایم شیعوں اور احمدیوں (مزدانیوں) قادیانیوں کے خلاف ہے۔“

الطاف حسین نے قادیانی رہنما سر اظہار احمد قادیانی کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ حیرت کی بات ہے کہ الطاف نے اس کے جنازے میں کیوں شرکت نہیں کی؟ اگر دوسرا قبول کرے تو خوش اخلاقی سے کسی کی بھی تعزیت کی جاسکتی ہے لیکن سر ظفر اللہ خان (سابق وزیر خارجہ) نے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ الطاف حسین نے قادیانی رہنما سر اظہار احمد کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے لیکن کیا وہ اس کی تعزیت قبول کر لیں گے؟

ایم کیو ایم اور اسرائیلی فوج میں قادیانی

ڈاکٹر شاہد قریشی

ڈاکٹر شاہد قریشی انگلینڈ کے کہنہ مشق، ایوارڈ یافتہ اور تحقیقی جرنلسٹ ہیں۔ سکیورٹی پالیسی، خارجہ پالیسی اور دہشت گردی ڈاکٹر صاحب کے خاص موضوعات ہیں۔

ایک یہودی پروفیسر آئی ٹی ٹاؤمی کی کتاب ”اسرائیل اے پروفائل“ کے مطابق: ”پاکستان کی فوج میں موجود قادیانیوں کی تعداد سے زیادہ قادیانی اسرائیل کی مسلح افواج میں خدمت انجام دے رہے ہیں اور پاکستان کے 600 سے زیادہ قادیانی اس اسرائیلی فوج میں ملازمت کر رہے ہیں۔“ بہت سے تجزیہ نگاروں کے مطابق ”قادیانی ہمیشہ ایک باقاعدہ سیاسی مسئلہ اور نقص امن کا باعث بنے رہے ہیں؟“

ہندوستان میں کارگل جنگ کے دوران قادیانیوں نے بھاری مقدار میں چندہ جمع کر کے بھارت کو عطیہ کیا تھا۔ 15 فروری 1987ء میں پاکستانی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان نے قومی اسمبلی میں انکشاف کیا تھا کہ پاکستانی مسلح افواج میں اعلیٰ عہدوں پر 328 قادیانی افسر متمکن ہیں۔ وزیر خارجہ کی رپورٹ کے مطابق فوج میں 1 لیفٹیننٹ جنرل، 5 بریگیڈیئر اور آئیر فورس میں اسی رینک کا ایک افسر، فوج میں 10 کرنل نیوی میں 2 اور آئیر فورس میں 3 فوج میں 56 کیپٹن نیوی میں 5 اور آئیر فورس میں 14 قادیانی بھرتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ یہودی مصنف کے مطابق 600 قادیانی اسرائیلی مسلح افواج میں ملازمت کر رہے ہیں تو اس رپورٹ کے مطابق 328 قادیانی پاکستان فوج میں ہیں۔

ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز قادیانی رہنما نے مجھ سے کہا کہ ”تم کراچی میں امن قائم رکھنا چاہتے ہو؟ قادیانیوں کو امن فراہم کرنا۔“ سوال یہ ہے کہ اب 20 سال کے بعد وہ اعلیٰ (پاکستانی) قادیانی قومی

”امپیکٹ میگزین“ لکھتا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں قومی اسمبلی کو ایک غیر ضروری اور عرصہ سے چلے آنے والے اختلاف کو ختم کرنا تھا اور اس فیصلہ سے آئین کو ایک حقیقی دستوری شکل دیا جانا مقصود تھا۔ مسئلہ صرف اس وجہ سے نہیں پیدا ہوا تھا کہ رائج العقیدہ اور انتہائی کٹر مسلمان کسی ایک گروہ کو کافر قرار دانا چاہتے تھے بلکہ اس کا اصل سبب قادیان کے مرزا غلام احمد قادیانی کا مسیح اور پیغمبر ہونے کا وہ دعویٰ تھا جس کے نتیجے میں مرزا پر ایمان نہ لانے والوں (یعنی مسلمانوں) کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے متعلق قادیانی نقطہ نظر کو قادیانیوں کے تیسرے سربراہ مرزا محمود احمد قادیانی نے مختصر ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ”ہماری عبادت غیر احمدیوں سے الگ ہو چکی ہے۔ ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کے رشتے انھیں دیں اور ان کے مر جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کریں تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کرنے کے لیے کیا کام باقی رہ جاتا ہے؟ تعلقات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک مذہبی دوسرے دنیاوی۔ آپس کی محبت کا بڑا اظہار مشترکہ عبادت اور باہمی دنیاوی معاملات سے ہوتا ہے۔ تعلقات اور شادی خاندان کو جوڑے رکھنے کی شرائط ہوتی ہیں لیکن ہمارے لیے ان دونوں امور کو حرام دیا گیا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہمیں تو ان کی بیٹیوں کے رشتے کرنے کی اجازت ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں تو عیسائیوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کی اجازت ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر احمدیوں کو سلام کیوں کرتے ہیں؟ تو میرا جواب یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کا فرمان ہے کہ یہودیوں کو بھی سلام کرو۔ چنانچہ ہمارے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نے ہمیں ہر ممکن طریقے سے دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ اب کوئی ایسا تعلق باقی نہیں ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو اور ہمیں اس سے منع نہ کر دیا گیا ہو۔“

۱۹۳۵ء میں فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال نے انگریزوں سے قادیانیوں کو الگ امت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ قادیانیوں نے اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اور سماجی تعلقات

۱۔ ریویو آف ریلیجینز

نہ رکھنے کی پالیسی اپنائی ہے لیکن وہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے لیے متذبذب ہیں۔ وہ مسلمانوں سے (سیاسی) علیحدگی اختیار کرنے میں پہل نہیں کریں گے کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی قلیل تعداد (۵۶۰۰۰) کی وجہ سے انہیں کسی بھی اسمبلی کی ایک نشست بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قادیانیوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا ہے کہ ”پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ان کے حقوق بھی تسلیم کیے جانے چاہئیں۔“

بشیر احمد اپنی کتاب Ahmedia Movement میں لکھتے ہیں کہ یہ معروف بات ہے کہ جب ۱۹۵۵ء میں شریف احمد قادیانی کو اسرائیل سے واپس (ربوہ) پاکستان بلا لیا گیا تو جلال الدین قمر جو کہ ایک قادیانی مبلغ تھا اور ۱۹۵۶ء سے اسرائیل میں خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ تمام قادیانی مبلغین جو ۱۹۶۸ء سے اسرائیل میں متعین رہے تھے مثلاً جلال دین شمس اللہ دتہ جالندھری رشید احمد چغتائی نور احمد اور چودھری شریف احمد (یہ سب) اسرائیل سے آجانے کے بعد ربوہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب وہ اسرائیل میں تھے ان کے خاندانوں کے اسرائیلی حکومت کے ساتھ پر اسرار روابط استوار تھے۔

جہاں تک یہودیوں کی اعانت و تعاون کی بات ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب ”Our Foreign Missions“ کے صفحہ ۷۹ پر اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ: ”اسرائیل میں احمدیہ مشن حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد مشن ہاؤس ’لاہیری‘ بک ڈپارٹمنٹ اسکول موجود ہے۔“

ایک تازہ رپورٹ کے مطابق: الطاف حسین کو بیرونی عناصر بشمول بھارت سے ہدایات دی جا رہی ہیں اور الطاف حسین کی امریکی سفارت کار رو بن رافیل کے ساتھ بھی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ”ملی گزٹ ڈاٹ کام“ کے مطابق الطاف حسین کا یہ بھی کہنا ہے کہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد قرار دیا جائے۔ جس سے یہ لگ رہا ہے کہ وہ کشمیر پر بھارت اور امریکہ کے موقف کی پیروی کر رہے ہیں۔

۱۔ Al Fadhil ۱۳ نومبر ۱۹۷۱ء

سرد جنگ کے دور کے بعد امریکی پالیسی ساز بڑھتی ہوئی جارحیت کے ساتھ کشمیر میں ڈکسن پلان کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ وہ منصوبہ کے مطابق اس خطے میں قدم جمانے کا حتمی ہدف حاصل کرنے کی خاطر کشمیر کو ایک بڑا آپریشن سٹیشن بنانا چاہتے ہیں۔

امریکہ کی اس خطے میں سرگرمیوں کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا سودمند ہوگا کہ ڈکسن پلان کا تانا بانا کیا ہے؟ اس منصوبہ کے موجد کا نام سراوون ڈکسن تھا جو کہ ۱۹۵۰ء میں اقوام متحدہ کا نمائندہ برائے بھارت و پاکستان تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ کشمیر کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اس منصوبے کی حمایت کی لیکن اسے شروع نہ کیا جاسکا کیونکہ اس وقت کے پاکستانی وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ امریکی پالیسی سازوں نے اسی منصوبے کو کچھ اصلاح کے بعد حالیہ برسوں میں دوبارہ پیش کیا ہے جس کے پہلے مرحلہ میں لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر کے مختلف طرح سے قابل بحث بنایا جا رہا ہے۔

ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا ہے کہ: الطاف حسین کی قادیانیوں کے ساتھ حالیہ قربت محض اتفاق نہیں ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ کراچی میں خانہ جنگی کرانا یا ملک کی معیشت کو مفلوج کرنا چاہتا ہے؟ اگر الطاف حسین یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو حکومت پاکستان الطاف کی پاکستان کو سپردگی کے لیے برطانوی حکومت سے مطالبہ کرے اور اس کے نام نہاد ”بین الاقوامی سیکرٹریٹ کی بندش“ اور ایم کیو ایم کے فنڈز کی جولندن ’دی‘ کینیا ساؤتھ افریقہ، تنزانیہ اور کینیا وغیرہ میں موجود ہیں ان کی بین الاقوامی تحقیقات کے آغاز کا مطالبہ کرے۔ بصورت دیگر نیٹو اور اتحادی فوج کو محفوظ راستہ دینا ان کی 80 فیصد چالائی کو بحال رکھنا اور 40 فیصد تیل کو کراچی پورٹ سے دیا جانا ممکن نہیں رہے گا۔ امریکہ اور اتحادی افواج کو اب دنیا کو بتا دینا چاہیے کہ دراصل ان کے افغانستان میں کیا عزائم ہیں؟



ترانہ ختم نبوت

ہے ہر اک اہل سنت پاساں ختم نبوت کا

مجاہد ہے ہر اک پیر و جواں ختم نبوت کا

وہ جس کے علم نے میدان سے دوڑایا ”مرزے“ کو

ہے شاہ گولڑہ، کوہ گراں ختم نبوت کا

دعا جس کی گری تھی برق بن کر جان مرزا پر

خدا کا شیر وہ برق تپاں ختم نبوت کا

ترپن ۱۹۵۳ء میں چلی تحریک جب سارے مکاتب کی

تھا بوالحسنات میر کارواں ختم نبوت کا

چوہتر ۱۹۵۷ء میں چلی تحریک جب قومی اسمبلی میں

مرا قائد تھا امیر کارواں ختم نبوت کا

وہ پیکر جاہ و حشمت وہ نیازی مرد میدان کا

تھا اپنی ذات میں وہ کارواں ختم نبوت کا

مجاہد بے ریا جس نے بنا ڈالی ”فدائیاں“ کی

وہ صوفی باخدا اياز خاں ختم نبوت کا

مقام مصطفیٰ کی عظمتوں کے منکرو سن لو

تمہارا کام ہے سب رائیگاں ختم نبوت کا

فدائی مصطفیٰ کا اور نظام مصطفیٰ کا

وہی سچا فدائی ہو گا ہاں ختم نبوت کا

ہمارا واعظان خوشنوا کو مشورہ ہے کہ

ہو کم سے کم ماہانہ اک بیاں ختم نبوت کا

خریدو شوق سے یہ ”العاقب“ سب سنی

ہے یہ سنی جریدہ ترجمان ختم نبوت کا

الہی اپنی رحمت سے شہیدوں کے ویلے سے

سعیدی کو بنا دے نغمہ خواں ختم نبوت کا



﴿بقیہ صفحہ: 61﴾

آٹھویں ترمیم ختم کروانے کے لیے دہاؤ الاہیہ۔ قادیانی جماعت یہ بھستی تھی کہ آٹھویں ترمیم ختم ہونے سے ہمارا متعلقہ آؤڈینس بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا لہذا قادیانی جماعت آٹھویں ترمیم پر توجہ دلاتی رہی۔ کوئی بھی صدر آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھا کیونکہ ان کے اختیارات کم ہوتے تھے اور کوئی وزیراعظم اتنا مضبوط نہ تھا کہ وہ اپنی بات منوا سکتا۔ 1997ء میں نواز شریف کے بھاری میڈیٹ نے آٹھویں ترمیم کو ختم کر دیا مگر قادیانی جو تیرہ سال سے کسی مسیحا کی تلاش میں تھے اور آٹھویں ترمیم کے ختم ہونے کے انتظار میں بھی گیارہ سال گزار چکے تھے ان کو سخت مایوسی ہوئی۔ آٹھویں ترمیم کو ختم ہو گئی مگر جنرل ضیاء مرحوم کی قادیانیوں کے خلاف کی گئی کارروائی ختم نہ ہو سکی۔

قادیانی پاکستان میں 1953ء، 1974ء اور 1984ء میں شدید قسم کی مار کھا چکے ہیں مگر ابھی تک وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہمارا کیا بگڑا ہے مسلم سے غیر مسلم تک چلے جانا کوئی نقصان نہیں۔ اب ایک بار پھر وہ امت مسلمہ کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ہم بہت زیادہ ترقی کر رہے ہیں اور اب ایک سال میں کروڑوں لوگ قادیانی ہو رہے ہیں۔ اس سے قادیانیوں کا مورال بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی لٹاکر میں شدت آرہی ہے گویا وہ بار بار بڑاں حال کہہ رہے ہیں کہ ”اب کے مار“۔

قادیانیوں کی دھمائی

پروفیسر منور احمد ملک

پروفیسر منور احمد ملک طویل عرصہ اہم قادیانی عہدوں پر فائز رہے اور بالخصوص جہلم میں انگریز کے خود کاشت پودے کی آبیاری میں خوب سرگرم رہے ہیں۔ 1999ء میں اللہ رب العزت نے موصوف اور ان کے خاندان پر ہدایت کے دروازے کھولے اور پروفیسر صاحب بمع اہل و عیال حضور پر نور خاتم الانبیاء والہ وسلم ﷺ کے دامن کرم سے مستقل وابستہ ہو گئے۔ بچپن لڑکپن اور جوانی کے شب و روز قادیانیت میں گزارنے اور اہم تنظیمی مناصب پر فائز رہنے کے بعد قادیانیت پر آپ کی فکر و سوچ کی گہرائی محتاج تعارف نہیں۔ بہر کیف وہ جسد خاکی جو کہی مسلمانوں کو قادیانیت کے دام فریب میں پھنساتا تھا اب اسی قادیانیت کے تانے بانے جدا کرنے میں مصروف عمل ہے۔

درج ذیل مضمون میں محترم پروفیسر صاحب نے مرزائیوں / قادیانیوں کے مکرو فریب اور ہٹ دھرمی کا نہایت احسن انداز میں پردہ چاک کیا ہے۔ پوش نظر مضمون میں جہاں قادیانیوں کے مکرو فریب کو بیان کیا گیا ہے وہیں قادیانیوں کی سوچ، پالیسی، کام کرنے کے انداز، سازشوں اور شرارتوں کو دلچسپ پیرائے میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

کہتے ہیں کہ کسی ہندو بننے کا کسی مسلمان سے جھگڑا ہو گیا بنیا خاصا کمزور اور دبلا پتلا مگر بڑا غصیلا اور اکڑ والا تھا جبکہ مسلمان طاقتور اور پہلوان قسم کا تھا۔ مسلمان نے بننے کو نیچے گرا کر گھونسوں اور مکوں سے خوب ٹھکائی کی۔ جب اسے چھوڑا تو بنیا کھڑا ہوا، کپڑے جھاڑے اور مسلمان کو لٹکارتے ہوئے کہنے لگا ”اب کے مار“ یعنی اب مجھے مار کر دیکھو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب تم نہیں مار سکتے اگر مارو گے تو خوب جواب بھی ملے گا۔ پہلوان نے دوبارہ اسے ”گھنٹوں“ کے نیچے لیا اور ایک بار پھر مکوں کی بارش کر دی۔ جب خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں گلے ہی نہ پڑ جائے تو اسے چھوڑ دیا۔ بنیا بمشکل سیدھا ہوا اور پھر لٹاکر کہنے لگا ”اب کے مار“۔ پہلوان نے تیسری بار اس کی لٹاکر کا جواب دیتے

ہوئے اس کی آکر کو نچوڑ ڈالنے کی غرض سے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی۔ اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ اس دفعہ 302 کا کیس نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ جب اس نے بننے کو چھوڑا تو وہ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا مگر پھر لٹکا ردی کہ ”اب کے مار“۔

اس طرح یہ قول بطور محاورہ ہو گیا کہ مار بے شک پڑے پلے کچھ نہ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد 1947ء تا 1953ء قادیانی جماعت نے پاکستان میں اچھی خاصی جگہ بنالی تھی۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ظفر اللہ خان قادیانی تھا۔ فوج کا سینئر آفیسر جنرل نذیر احمد قادیانی تھا۔ قیام پاکستان سے قبل کے 50 سالوں میں قادیانی جماعت نے سادہ لوح قادیانیوں سے چندے اکٹھے کر کے خوب دولت اکٹھی کر لی تھی اور اس دولت کو لے کر قادیانیت پاکستان میں داخل ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد سر ظفر اللہ مرتد کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے کلیم در کلیم کیش کروائے۔ مرزا قادیانی کے خاندان کے تمام شہزادوں کو جاگیر دار بنا دیا گیا۔ قادیانی جماعت نے خود بھی زمین حاصل کی اور اپنا ایک علیحدہ شہر تیار کرنے کے لیے ربوہ (چناب نگر) کے نام سے شہر آباد کیا جس میں قادیانی جماعت کی حکومت تھی۔ اس طرح قادیانیوں نے اپنا اچھا خاصا وزن پاکستان میں بنا لیا۔

1953ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک ختم نبوت کے ذریعہ عوام الناس کو قادیانیت کے بارے میں سمجھنے کا موقع ملا اور عوام میں بیداری پیدا ہوئی۔ عام مسلمانوں کو علماء نے تحریر و تقریر سے باور کروایا کہ قادیانی نہ صرف غیر مسلم بلکہ گستاخ رسول بھی ہیں۔ اس طرح قادیانیوں کے خلاف خاصی نفرت پیدا ہونے لگی۔ قادیانی اپنے وزن کی وجہ سے یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کے خلاف کوئی تحریک چل سکتی ہے۔

تحریک ابھی آغاز پر ہی تھی کہ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی ملعون کو ایک جلسہ عام میں (جو قادیانیوں نے ترتیب دیا تھا) کراچی کے پارک میں منع کیا گیا کہ وہ آکر تقریر کریں۔ مسلمانوں نے

اس بات کا فوراً نوٹس لیا اور ہسکی دی کہ اگر قادیانی وزیر خارجہ نے اس تنازعہ میں جملہ مسلمانوں کی تو خطرناک ہو گا مگر قادیانی اس زعم میں تھے کہ حکومت اپنی ہے۔ انہیں یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے تھی کہ اگر ایک وزیر اور ایک جنرل کے قادیانی ہونے کی وجہ سے حکومت اپنی ہو سکتی ہے یا قادیانیوں کی مدد کر سکتی ہے تو حکومت کا سربراہ باقی تمام وزراء اور دیگر تمام جرنیل جس دھڑے میں ہوں گے حکومت ان کی مدد کیوں نہ کرے گی؟ چنانچہ اپنے زعم کے زیر اثر ظفر اللہ قادیانی نے تمام دھمکیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شرکت کی۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی عوام پھر گئے اور جلوس کی شکل اختیار کر کے جلسہ گاہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ انتظامیہ نے روکنا شروع کیا تو عوام میں جوش اور نفرت مزید بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ سر ظفر اللہ قادیانی کی تقریر کے دوران عوام کی طرف سے رد عمل اتنا زیادہ ہو گیا کہ تمام جلسہ متاثر ہو گیا اور سر ظفر اللہ اپنی تقریر مختصر کر کے انتظامیہ کی زیر نگرانی وہاں سے جان بچا کر نکلا۔ قادیانیوں کی طرف سے اپنی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے حالات یکسر بدل گئے۔ قادیانی حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ہاتھ ہولا رکھنے کی بجائے ڈٹ گئے۔ پھر قادیانیوں کے لیے ایسی آگ بھڑک اٹھی جس نے پورے ملک کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔

پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چل پڑی۔ قادیانیوں کے خلاف جلوس لگائے جانے لگے۔ جلسوں میں قادیانیوں کے خلاف نفرت اور مسلمانوں میں غیرت ایمانی ابھاری جاتی۔ قادیانیوں کی تعداد کم ہونے لگی اور لوگ قادیانی جماعت کو چھوڑ کر پناہ ڈھونڈنے لگے۔ قادیانی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پوری پوری قادیانی جماعتیں ختم ہو گئیں۔ بہت سی قادیانیوں کی عبادت گاہیں مسلمانوں کو مل گئیں۔ جہلم میں جاوہ چک جمال کوٹ بھیرہ کوٹا فقیر کریم پور اور داراپورہ میں تمام کے تمام قادیانی مسلمان ہو گئے۔ جہلم کی بڑی جماعتوں محمود آباد، جہلم شہر کالا گوجراں اور چنداں خان کی تعداد نمایاں طور پر کم ہو گئی۔ قادیانیوں کو اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد ان سے عام مسلمان اور قادیانیوں میں بہت دوری پڑ گئی۔ پہلے

قادیانی اپنے اپنے علاقوں میں خاصے بارعب تھے۔ اپنا قادیانی وزیر خارجہ اور اپنا قادیانی جرنیل اس طرح پیش کرتے جیسے بڑے بھائی ہوں۔ اس سے وہ رعب ڈال لیتے تھے مگر جب تحریک چلی تو سب کو راہ فرار نہ ملتی تھی اور جائے پناہ کے لیے مسلمانوں میں اپنے دوست تلاش کیے جانے لگے۔

دوسری طرف قادیانیوں کے سرکردہ رہنماؤں نے قادیانی جماعت کا مورال بڑھانے کے لیے قادیانی جماعت کے افراد کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھ لو دشمن نے کتنا زور لگایا مگر قادیانی جماعت کو ختم نہ کر سکا اور یوں دشمن ناکام لوٹ گیا۔ آئندہ بھی جو قادیانی جماعت کو ختم کرنے کے لیے اٹھے گا اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔ دوسرے لفظوں میں قادیانی کپڑے جھاڑ کر ایک بار پھر پہلوان کو کہہ رہے تھے "اب کے مار"۔

جس طرح اس بنے کو بھی یہ گمان تھا اور وہ موقف میں درست بھی تھا کہ اسے پہلوان نے صرف مارا پیٹا ہے ختم تو نہیں کر دیا بس اسے صرف یہ خوشی تھی کہ پہلوان نے اسے جان سے تو مار نہیں دیا۔ قادیانیوں نے بھی یہ علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے پورا زور لگا کے دیکھ لیا مگر قادیانی جماعت کو ختم نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ ان کی عزت اور رعب خاک میں مل گیا ہے۔ وہ سب کچھ گنوا کر بھی بے مزہ نہ ہوئے اور ایک بار پھر مسلمانوں کو لکارنے لگے کہ "اب کے مار"۔

1963ء کے بعد کچھ عرصہ تک قادیانی دبے رہے۔ ایوب خان کے دور میں قادیانیوں کو پھر پُرے مارے گئے تھے۔ سر ظفر اللہ خان قادیانی ملعون وزارت خارجہ سے فارغ ہو کر عالمی عدالت میں جج بن گئے۔ (مرزا بشیر کا بھائی) وزارت خزانہ میں سیکرٹری کے عہدے پر پہنچ گئے۔ قادیانیوں کو خاصا حوسا ملنا شروع ہو گیا۔ قادیانی ایک بار پھر بھول گئے کہ سیکرٹری کے عہدے پر وزیر اعظم اور صدر کے عہدے بھی ہوتے ہیں اور ان عہدوں پر کوئی قادیانی نہ تھا۔ پھر دوسری وزارتوں کے یہی عہدے دار جن کی تعداد درجنوں میں ہے وہ سب غیر قادیانی تھے۔ اگر ایک ایسے کے آئے سے آپ کی پوزیشن بن رہی ہے تو جس دھڑے میں باقی سب آفیسر ہیں ان کی

پوزیشن کیوں نہیں بنتی؟ 1965ء کی جنگ میں جنرل اختر حسین ملک اور ان کے بھائی بریگیڈر (بعد میں جنرل) عبدالعلی ملک کے نام سامنے آئے۔ یہ دونوں بھائی قادیانی تھے اور قادیانیوں نے ان کو خوب کیش کروایا۔

1971ء میں میجر جنرل افتخار جنجوعہ چھب جوڑیاں میں آپریشن کے دوران مارا گیا۔ بعد میں اس کے نام سے افتخار آباد نام رکھا گیا جو ابھی تک قائم ہے یہ بھی قادیانی تھا۔ ایئر فورس میں ظفر چوہدری قادیانی ایئر مارشل کے عہدے پر پہنچا۔ لہذا ان کے ناموں سے قادیانیوں نے اپنا خوب رعب جمایا۔ دوسری طرف ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کو 1970ء کے الیکشن میں قادیانی جماعت نے کھل کر سپورٹ کیا اور وہ کامیاب ہو گئے جس سے قادیانیوں نے پانچوں انگلیاں گھی میں سمجھ لیں۔

1974ء تک ایک نئی نسل تیار ہو چکی تھی۔ جنرل 1953ء کے بعد پیدا ہوئی وہ 1974ء تک مکمل جوان ہو چکی تھی۔ لہذا اسے 1953ء کے حالات یا ماریاد نہ تھی اور جنہوں نے ہوش و حواس سے 1953ء کے حالات دیکھے تھے وہ بڑھاپے کی حد کو چھو رہے تھے تو گویا جوش والی نسل پرانے سبق سے بے بہرہ تھی۔

مئی 1974ء کو نیشنل میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کے گروپ نے شمالی علاقہ جات کا سات روزہ دورہ کیا۔ سفر کے دوران بذریعہ ریل وہ چناب نگر (ربوہ) اسٹیشن پر سے گزر رہے تھے تو قادیانیوں نے مسلمان طلباء کو قادیانیت کی تبلیغ کرنی چاہی تو انہوں نے نعرہ بازی شروع کر دی۔ اس سے قادیانیوں کی توجہ اس طرف ہوئی اور انہوں نے مسلمان طلباء کے متعلق پلاننگ شروع کر دی۔ اب اس پہلانگ میں نو جوان نسل بھی شامل تھی جو 1953ء کے سبق سے بے بہرہ تھی۔ 29 مئی کو جب نیشنل کالج کے طلباء واپس ملتان آ رہے تھے تو سرگودھا ریلوے اسٹیشن پر ان کی نگرانی قادیانی کرنے لگے اور چناب نگر (ربوہ) پہنچ کر ان طلباء کی ٹھکانی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب گاڑی چناب نگر (ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو باقاعدہ پلاننگ سے (قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے) گاڑی روک کر نیشنل

کالج کے طلباء کی خوب پٹائی کی۔ اسٹیشن کے قریب غلہ منڈی کے جوان پہلے ہی اپنے علاقے میں ڈانگ مار گروہ کی حیثیت سے ایک رعب رکھتے تھے۔ انہیں اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا۔ بس پھر کیا تھا قادیانیوں نے کالج کے طلباء کو خوب مارا پیٹا اور انہیں لہو لہان کر کے اس پیغام کے ساتھ رخصت کیا کہ کرلو جو کرنا ہے۔ دیکھ لیتے ہیں تم کیا کرتے ہو؟ دوسرے لفظوں میں ”اب کے مار“۔ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے فوراً بعد پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ سارا ملک ناموس رسالت ﷺ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ 1953ء میں تیار ہونے والا پلیٹ فارم صاف کر کے دوبارہ استعمال کے قابل ہو گیا۔ 29 مئی 1974ء کو یہ واقعہ ہوا تو 30 مئی کو مختلف شہروں میں مکمل ہڑتال ہو گئی۔

اس تحریک کے نتیجے میں قادیانیوں کو قومی اسمبلی کے ذریعہ آئین میں ترمیم کر کے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ پہلے قادیانیوں کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دیا گیا پھر فیصلہ کیا گیا۔

مرزا طاہر نے قادیانیوں میں تبلیغ کا جوش بھر دیا۔ ہر ضلع، تحصیل، حلقہ اور محلہ کی جماعت کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنے معیار کے لحاظ سے تبلیغی مجالس منعقد کریں بس پھر کیا تھا پوری قادیانی جماعت اس میں مصروف ہو گئی۔ پورے جوش کے ساتھ ہر قادیانی تبلیغ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر محلے میں چائے پانی کی مجالس شروع ہو گئیں جس میں غیر قادیانی حضرات کو بلایا جاتا اور ان کو تبلیغ کی جاتی (جیسا کہ اب بھی مسلمان نوجوانوں کو چائے پارٹی کے نام سے بلایا جاتا ہے اور قادیانیت کی تبلیغ کی جاتی ہے)۔ اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے کہ فلاں دن فلاں جگہ مجلس سوال و جواب منعقد ہوئی جس میں اتنے غیر از جماعت دوست حاضر ہوئے ہیں۔ یہ ریکارڈ چناب نگر (ربوہ) میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ مجالس کا یہ سلسلہ محلے سے لے کر تحصیل و ضلع لیول تک ہوتا ہے اور پھر پوری تحصیل یا ضلع کا ایک اجتماعی قافلہ بذریعہ بس چناب نگر (ربوہ) جاتا ہے جس میں اکثریت مسلمان دوستوں کی ہوتی ہے۔ وہاں دار الضیافت میں خوب خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ تین چار گھنٹے تک مختلف مریضوں کے ذریعے تقاریر اور سوال و جواب کر دائے جاتے ہیں اور آخر پر بیعت کے لیے کہا جاتا ہے۔ مشاہدہ یہ تھا کہ 100 غیر

قادیانی حضرات کے قافلہ میں سے کبھی کبھار ایک آدھ پھل ملتا تھا (مسلمانوں کو قادیانی بنانے کے لیے پھل کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے)۔

مرزا طاہر نے قادیانی جماعت میں تبلیغ کا جوش بھر دیا۔ بیعتوں کے سلسلے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی مگر اس سے جماعت کا مورال بڑھ گیا اور وہ اتنی چارج ہو گئی کہ ہر قادیانی دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ کیونکہ ہر قادیانی کو یہی باور کرایا جاتا کہ بہت جلد پوری دنیا کے لوگ قادیانی ہو جائیں گے اور پوری دنیا پر قادیانیوں کی حکومت ہوگی۔

1983ء میں قادیانی تبلیغ کے میدان میں سخت سرگرم تھے۔ اس کے رد عمل پر تحریک شروع ہوئی تو 1983ء کے آخر پر تحریک زوروں پر تھی۔ 1983ء کے جلسہ سالانہ میں مرزا طاہر نے قادیانیوں کو خوب چارج کیا جس سے ان کا مورال بڑھ گیا۔ 1984ء میں مارچ کے مہینے میں قادیانی جماعت نے ایک کتاب بنام ”اک حرف ناصحانہ“ شائع کی اور اسے پورے پاکستان میں تقسیم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔

میں اس وقت لاہور میں احمدیہ ہوسٹل دارالاحمد (A-134 نیو مسلم ٹاؤن لاہور) میں ایم ایس سی (M.S.C) کے لیے مقیم تھا۔ وہاں پر ڈیڑھ ہزار کتاب تقسیم کرنے کے لئے ہماری ڈیوٹی لگائی گئی۔ رات کو پروگرام بنا۔ پروگرام کے مطابق ہم صبح اذان سے قبل اٹھے۔ ”دو دو“ سو کتاب اٹھائی اور دو دو لوگوں پر مشتمل سات آٹھ کا گروپ فیلڈ میں چلے گئے۔ ہم نے پروگرام کے مطابق گھروں کے اندر کٹیوں کے نیچے سے کتاب کو پھینکنا شروع کر دیا۔ سورج طلوع ہونے سے قبل ساری کتابیں تقسیم ہو گئیں۔ پورے لاہور میں غالباً پچاس ہزار کتابیں تقسیم کی گئیں۔ گلبرگ کے کچھ پر جوش قادیانی نوجوانوں نے مار کٹیں کھلنے کے بعد لوگوں کے ہاتھوں میں بھی کتابیں دیں۔ اس سے کچھ تکیاں بھی پیدا ہوئیں بلکہ چند نوجوانوں کی پٹائی بھی ہوئی اور مقدمات بھی بنے۔ قادیانی جماعت نے یہ موقف اختیار کیا کہ اپنا موقف وہی ہے کہ ایک لائق ہے اور اس میں کد امانتے والی کیا بات ہے؟ آپ

(مسلمان) اس کا جواب دیں اگر دے سکتے ہیں تو؟

”ایک حرف ناصحانہ“ کی تقسیم کے بعد مسلمانوں میں اور زیادہ اشتعال پیدا ہو چکا تھا۔ پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف جلوس نکلنے لگے اور قادیانیوں کی اس پکار کہ ”اب کے مار“ پر مسلمان حرکت میں آچکے تھے۔ کئی شہروں میں تصادم بھی ہوئے۔ سربراہ حکومت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم پر دباؤ پڑا کہ 1974ء میں کی جانے والی ترمیم کی قانون سازی کی جائے۔ اپریل کے مہینہ میں ہر شہر اور ضلع میں جلوس نکلنے شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی طرف سے اپریل 1984ء کو اسلام آباد میں ایک فیصلہ کن جلسہ اور پھر جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا گیا۔ مگر اس کا مرحلہ ہی نہ آیا اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کی حکومت نے 26 اپریل کو ایک آرڈیننس جاری کر دیا جس کے مطابق ”کوئی قادیانی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا“ اپنے قول و فعل سے بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتا اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتا، عبادت کے لیے بلانے کے لیے مسلمانوں کے طریق کے مطابق اذان نہیں دے سکتا اور نہ ہی مرزا قادیانی کی بیوی کے لیے ام المؤمنین اور ساتھیوں کے لیے صحابی جیسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔“

اس سرکاری حکم کے بعد قادیانی بالکل زمین پر لگ گئے اذانیں بند ہو گئیں، لفظ مسجد کو بیت الحمد دار الحمد، بیت الذکر اور دار الذکر جیسے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا۔ صحابی کے لیے رفیق کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ اپنے آپ کو احمدی مسلمان کی بجائے صرف احمدی لکھا جانے لگا۔

اب جس طرح یورپ کی طرف قادیانیوں کا بہاؤ ہے اس سے نظر آتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں قادیانی پاکستان سے یورپ چلے جائیں گے اور جو نہ جاسکے وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ویسے بھی جوں جوں قادیانی نوجوان تعلیم کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں وہ جماعتوں میں جاری امیر جماعت اور دیگر عہدیداران کی زیادتیوں سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں اور تیزی سے قادیانیت سے دور ہو رہے ہیں۔ مسلمان علماء کو اس طرف کوئی خاص محنت کی ضرورت نہیں۔ یہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچنے کے لیے سرگرداں ہیں۔

ایک طرف قادیانی جماعت ”اب کے مار“ والی پالیسی اپنا کر یہ تاثر دیتی ہے کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا دوسری طرف پوری دنیا کو یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ ہم پر بہت ظلم ہو رہا ہے اور جماعت کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ قادیانیوں نے مختلف وقتوں میں خفیہ طریقہ سے رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ 1984ء کے آرڈیننس کے بعد دسمبر کے مہینہ میں جماعت نے دو تین تحریروں کے نمونے تیار کر کے مختلف جماعتوں میں بکھوائے اور ہدایت کی کہ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے پتہ جات لے کر لوگوں کو خطوط لکھے جائیں جس میں لوگوں کو آرڈیننس کا حوالہ دے کر مسلمانوں کی غیرت کو جگا کر حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کی جانی تھی۔ راولپنڈی کے قادیانیوں کو کہا گیا کہ آپ سندھ، کراچی کے افراد کو خط لکھیں اور کراچی کے لوگوں سے کہا گیا کہ آپ پاکستان کے شمالی حصوں کی طرف خطوط بھیجیں۔ خط کے نیچے کسی نہ کسی کا ایڈریس دیا جاتا۔ میں خود اس پروگرام میں شامل رہا ہوں مگر خطوط کے بعد رزلٹ مایوس کن رہا اور یہ اسکیم فیل ہو گئی۔

مختلف وقتوں میں مختلف سربراہان حکومت کو باقاعدہ سکیم کے مطابق خطوط لکھے جاتے رہے۔ بھٹو کو چھانسی دلوانے کے لیے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو باہر سے خطوط لکھوائے گئے اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کو یہ تاثر دیا گیا کہ بیرون ملک مقیم پاکستانی بھٹو کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ جب جنرل ضیاء الحق مرحوم نے قادیانیوں کو ٹیکس ڈالی تو جو نیچو صاحب کے برسر اقتدار آنے پر اسے خطوط لکھوائے گئے کہ آٹھویں ترمیم کو ختم کرواؤ اور جنرل ضیاء مرحوم کے قادیانیوں کے خلاف آرڈیننس کو ختم کرو۔ اس وقت تک مرزا طاہر لندن جا کر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا چکا تھا۔ جو نیچو صاحب یہ کام نہ کروا سکے۔ جنرل ضیاء مرحوم کی وفات کے بعد غلام الحق خان کو خطوط لکھے گئے اور ان پر یہ ظاہر کیا گیا کہ بیرون ملک پاکستانی انسانی حقوق کے حوالے سے اس آرڈیننس کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ پھر بے نظیر پر پریشر پڑا مگر کوئی بھی آٹھویں ترمیم ختم نہ کروا سکا۔ جب نواز شریف صاحب پہلی دفعہ وزیر اعظم بنے تو ان پر

دارالافتاء

قادیانیوں کا جنازہ پڑھنے والوں کا حکم

استفتاء

ایمان ہاتھ میں علمائے دین وفقہ و مفتیان شرع متین کہ

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے قادیانی (مرزائی) یا لاہوری (مرزائی) مسلمان ہیں یا کافر؟

۲۔ ان کو مسلمان سمجھنے والے کیسے ہیں؟ قادیانی یا لاہوری مرزائیوں کی نماز جنازہ پڑھنی یا پڑھانی جائز

ہے یا ناجائز؟

۳۔ نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے والوں کو کوئی سزا یا کفارہ تو ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے

ہیں کہ پڑھنے والوں کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔

۴۔ مذکورہ سوالات کے جوابات شریعت محمد مصطفیٰ ﷺ اور فقہ حنفیہ کی روشنی میں فتویٰ کی صورت میں

فرامائیں۔

سائل

محمد علی مستری

آرے والا بازار

نارووال ضلع بہاولکوٹ

الجواب

۱۔ بعونہ تعالیٰ قانون شریعت اسلامیہ اور قانون پاکستان کے مطابق قادیانی مرزائی جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں مطلقاً کافر ہیں۔ اسی طرح لاہوری (مرزائی) جو کہ مرزا کو معبود مانتے ہیں بھی قطعاً کافر ہیں۔ یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے ﴿وَمَنْ قَالَ بَعْدَ نَبِيِّنَا نَبِيٌّ يَكْفُرُ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ جو شخص ہمارے نبی ﷺ کے بعد کسی اور کو نبی تسلیم کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ نص قطعی کا منکر ہے اور نص قطعی کا منکر کافر ہے۔

۲۔ تفسیر روح البیان میں ہے ﴿وَمَنْ ادَّعَى النُّبُوَّةَ بَعْدَ مَوْتِ مُحَمَّدٍ لَا يَكُونُ دَعْوَاهُ إِلَّا بِاطْلَالٍ﴾ اور جس شخص نے محمد ﷺ کے (پردہ فرما جانے کے) بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ چونکہ مرزائی تمام کافر ہیں جو ان کو مسلمان سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ جن لوگوں نے ان کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے وہ کافر ہو گئے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں اور جن لوگوں نے ان کا جنازہ ان کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے پڑھا ہے ان کا یہ جنازہ پڑھنا بھی ممنوع اور حرام اور ناجائز ہے ﴿وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ ۱۔ ”اگر کافروں سے کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیے“۔ جنازہ میں شرط اول میت کا مسلمان ہونا ہے کہ فتاویٰ شامیہ میں ہے ﴿وَوُضِعَ طَهِهَا الْإِسْلَامُ الْمَيِّتِ﴾ ۲ اور میت کا مسلمان ہونا نماز جنازہ کے لیے شرط ہے۔ مرزائی چونکہ کافر ہیں لہذا ان کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ جن لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی ہے ان کو چاہیے کہ توبہ علی الاعلان کریں اور احتیاطاً اپنے اپنے نکاح اور ایمان کی یہ لوگ تجدید بھی کریں۔

واللہ ورمولہ (علم باللہ)

﴿فتاویٰ جماعتیہ صفحہ ۲۰۹﴾



بزم اطفال

☆ میلہ کون تھا؟

● اس کا پورا نام میلہ بن کبیر بن حبیب تھا۔ میلہ کا تعلق یمامہ کے ایک بہت بڑے قبیلے بنو حنیفہ سے تھا اور عام طور پر یہ قبیلے میں ”رحمان یمامہ“ کے نام سے مشہور تھا۔

☆ بد بخت میلہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھا اس خط کا مواد کیا تھا؟

● خدا کے رسول میلہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام۔ مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اس لیے آدھا ملک ہمارے لیے ہونا چاہیے اور آدھا قریش کے لیے مگر قریش کی قوم زیادتی کرنے والی ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے اس خط کا کیا جواب مرحمت فرمایا؟

● محمد رسول اللہ کی جانب سے میلہ کذاب کے نام۔ ﴿سَلَامٌ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ اِمَّا بَعْدُ فَاَنْ اِلَآ اَرْضٌ لِّلّٰہِ یُورِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس نامہ مبارک میں میلہ کو ”میلہ کذاب“ (جھوٹا) کے الفاظ سے مخاطب کیا چنانچہ اس کے بعد میلہ جو ”رحمان یمامہ“ کے نام سے مشہور تھا ”میلہ کذاب“ کے نام سے معروف ہو گیا۔



قائد اہل سنت: حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

اور

مجاہد تحریک ختم نبوت: حضرت مولانا صوفی ایاز خان نیازی

کی قائم کردہ مجاہدین ختم نبوت پر مشتمل تنظیم

فَدَايَا خَتْمِ نُبُوَّتِ پَاكِسْتَان کا ترجمان

اشاعت اسلام خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے لیے میدان عمل میں ہے۔ 1973ء میں قائم کیا۔
”تنظیم فدایان ختم نبوت“ کی 1995ء میں ”تحریک فدایان ختم نبوت“ کے نام سے تنظیم نو کی گئی۔
2000ء میں ”تحریک فدایان ختم نبوت“ اور ”تحریک تحفظ ختم نبوت“ کو ختم کر کے موجودہ تنظیم ”فدایان ختم نبوت“ کی بنیاد رکھی گئی۔

اس وقت فدایان ختم نبوت پاکستان کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ خطیب پاکستان حضرت مولانا خان محمد قادری ہیں۔ ان حضرات کی اہم و عمل اور متحرک قیادت نے فدایان ختم نبوت کو مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بہت جلد اس کی جماعت کی مستند اور نمائندہ تنظیم بنایا ہے۔

فدایان ختم نبوت کے جملہ عہدیداران کی جانب سے تمام مومنین کو اس قائد عشق و شوق میں شمولیت کی دعوت ہے کہ انہیں اور اہلسنت کی چنیدہ و باعمل قیادت کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا علم تمام کرمی آخر الزماں ہمارا اقدس میں فروغ ہو جائیں۔

نخبی

مارچ 2009 سے

فدائے گناہ ختم نبوت کے ترجمان

ماہنامہ
العاقب
الہور

کی ممبر شپ کا آغاز ہو گیا ہے

ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے زیر سالانہ 240 روپے

مع نام ایڈریس اور موبائل نمبر جمع کروائیں

جامع مسجد رحمتہ للعالمین، مدرسہ کالونی، ملتان روڈ لاہور

برائے منی آرڈر

0321-4370406, 0314-4250505
0346-4447022, 0300-4627470

معلومات: